Regd. L. No. 7243

Phone, 80

قرآنی نظامِ ربوبیّت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

فروری 1977

اس پرچہ میں "لمعات" دیکھئے۔

ووٹ کس کو دیا جائے؟

سعید

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵- بی- گلبرگ- لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ پچاس پیسے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ — لاہور

بدلِ اشتراک	ٹیلی فون نمبر	قیمت فی پرچہ
سالانہ پاکستان ...... ۱۸/ روپے غیر ممالک ...... ۳ پونڈ	۸۰۸۰۰ خط و کتابت ناظم ۔ ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵/ بی گلبرگ ۲ لاہور	۱ ½ ڈیڑھ روپیہ
جلد ۳۰	فروری ۱۹۷۷ء	شمارہ ۲

فہرست

۱۔ لمعات ـــــــــــــ ۲

۲۔ امام ابو حنیفہؒ سے عقیدت کے تقاضے ـــ (پروفیسر رفیع اللہ شہاب) ـــ ۹

۳۔ حقیقتیں اور افسانے ـــ (ڈاکٹر صلاح الدین اکبر) ـــ ۲۵

۴۔ طلوعِ اسلام، قرآن اور اثری انکشافات ـــ (حسن عباس رضوی) ـــ ۳۴

۵۔ حقائق و عبر ـــ (۱) جرأت مندانہ اقدام (۲) ایوانِ حکومت میں قرآن کی آواز۔
(۳) وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں ہے
(۴) اختلافات مٹانے کا آسان ترین طریقہ۔
(۵) قرآن مجید کے نادان دوست۔
(٦) سازش کامیاب ہو رہی ہے۔ (۷) ہماری اسلامی معلومات۔
(۸) تیری آواز مکّے اور مدینے۔ (۹) فوج کا نصب العین۔ ـــ ۴۳

۶۔ باب المراسلات ـــ (قانونِ وصیت) ـــ ۵۷

۷۔ نقد و نظر ـــ (منسوخ القرآن) ـــ ۶۱

پبلشر ۔ ناشر سراج الحق ۔ مقامِ اشاعت ۔ ۲۵/ بی گلبرگ ۲ لاہور ۔ پرنٹر شیخ نیاز احمد ۔ مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اُس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع حیوان اور سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لئے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دور سے بھی اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اس نے اِس باب میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں، بہت سی ایسی جو فی الواقع محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرأت آزما تھیں، لیکن جب اُن کی عملی تنفیذ کا وقت آیا تو نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اُسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اِس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور اربابِ حکومت عوام کے خادم ہیں۔ لیکن درحقیقت حکومت کا طریقہ عوام کی خدمت نہیں، بلکہ سلب و نہب ہو جاتا ہے۔

یہ الفاظ عہدِ قدیم کے کسی دانشور کے نہیں، جو اس نتیجے پر اس زمانے میں پہنچا ہو جب انسان نے ہنوز محض دو ایک اسالیبِ حکومت کا تجربہ کیا تھا اور اسے اُن نظامہائے مملکت کا علم نہیں تھا جنہیں انسانوں نے بعد میں وضع اور اختیار کیا۔ اگر اس کے سامنے بعد کے وضع کردہ نظام ہوتے تو وہ اس نتیجے پر نہ پہنچتا۔ یہ الفاظ خود ہمارے زمانے کے ایک بہت بڑے سیاسی مفکر (H. L. MENCKEN) کے ہیں جسے انہوں نے عہدِ قدیم سے لے کر عصرِ حاضر تک کے تمام نظامہائے حکومت کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے۔ انسان اِن تمام صدیوں کی آزمودہ شکن تگ و تاز، مہیب خوں ریزیوں اور وحشت خیز آتش فشانیوں کے بعد اپنے مختلف تجارب کو ناکام قرار دیتا ہوا جس آخری نظام تک پہنچا ہے وہ مغرب کا جمہوری نظام ہے۔ اِس پر یورپ کو بڑا ناز تھا اور اب بھی بیشتر ممالک میں اِسے بڑے فخر سے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن انسان کی اِس آخری کامیابی کے متعلق بھی پروفیسر مینکن لکھتا ہے کہ :-

اِن مختلف اسالیبِ حکومت میں سب سے زیادہ ناکام نظامِ جمہوریت رہا ہے۔ جمہوری نظام کے اربابِ حل و عقد خوب جانتے ہیں کہ حکومت کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہیئے،

لیکن ان کا جذبۂ محرکہ کبھی معقولیت پسند نہیں رہتا۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو قوت بھی باہر سے زیادہ دباؤ ڈال سکے اس کا ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اس ہتھکنڈے سے یہ لوگ اُن عناصر کے بل بوتے پر جو فی الحقیقت عوام کے دشمن ہوتے ہیں لامتناہی عرصے تک برسرِ اقتدار رہتے ہیں۔

ہم مغرب کے نظامِ جمہوریت کے خلاف خود وہاں کے اربابِ فکر و سیاست کی آراء و افکار اس کثرت سے پیش کر چکے ہیں کہ اُن کے دہرانے کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ہم اس مقام پر صرف اتنا بتا دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ان ارباب فکر و نظر کے نزدیک اس نظام (یا انسانوں کے وضع کردہ ہر نظام) کی ناکامی کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ شہرۂ آفاق کتاب (THE MAKING OF HUMANITY) کا نامور مصنف برٹینڈ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اس باب میں لکھتا ہے کہ:-

ایک انسان کا دوسرے انسان پر اقتدار و اختیار خواہ وہ کسی رنگ میں ہو استبداد ہے۔ طاقتور ہمیشہ کمزور کے حقوق کو غصب کرتا ہے۔ قوت عدل و انصاف کو پامال کر دیتی ہے، اس لئے ظالم و جابر ہوتی ہے۔ یہ انکشاف آج کا نہیں، بہت پرانا ہے کہ انسانی اقتدار بنیادی طور پر باطل ہے خواہ یہ کسی کے ہاتھ میں بھی کیوں نہ ہو۔ لارڈ ایکٹن نے ٹھیک کہا تھا کہ قوت انسان کو خراب کر دیتی ہے اور مطلق قوت اسے بالکلیہ تباہ کر دیتی ہے۔ نشۂ اقتدار سے انسان میں معقولیت کے ساتھ سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ قوت کسی رنگ میں ہو اس کے یہی نتائج ہوں گے۔ وہ جاہ و منصب کی ہو یا پنجۂ فولاد کی، دولت و حشمت کی ہو یا محض ذہنی برتری کی، کسی افسر کی ہو یا حاکم کی، کسی پادری کی ہو یا پروہت کی۔ قوت بہرحال قوت ہے اور فساد کی جڑ۔ اس کا لازمی نتیجہ ظلم اور بیداد گری ہوتا ہے۔ اور ان سب میں سب سے زیادہ خراب قوت وہ ہے جو اکثریت، محض اپنی تعداد کے بل بوتے پر، اقلیت کے خلاف استعمال کرتی ہے۔

دورِ حاضر کے جمہوری نظام میں بعض انسانوں کا دوسرے انسانوں پر اقتدار قانون سازی کے اختیار کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ قوانین جنہیں محض اس لئے صحیح اور جائز قرار دیا جاتا ہے کہ انہیں اکثریت نے وضع کیا ہے۔ ان قوانین کو قوت کے زور پر منوایا جاتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ صحیح انسانیت ساز نظام وہی ہو سکتا ہے جس میں انسانوں کو قانون سازی کے مطلق اختیارات حاصل نہ ہوں۔ لیکن انسانی فکر اس قسم کا کوئی نظام نہ وضع کر سکی ہے نہ کر سکتی ہے، نہ کر سکے گی۔ اس قسم کا نظام صرف وحی کی بارگاہ سے مل سکتا ہے۔ وہ وحی جس نے بتایا کہ قوانین سازی کے اصول اور حدود خدا کی طرف سے متعین شدہ ہیں جن میں کوئی انسان، کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں کر سکتا۔ ہر زمانے کے انسان باہمی مشاورت سے یہ طے کریں گے کہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ہم اپنا نظامِ تمدن کس قسم کا متعین اور متشکل کریں۔ یہ حدود

اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کے اندر رہتے ہوئے جو تمدنی احکام و قوانین وضع کئے جائیں گے ان میں حالات کے تقاضے کے مطابق ردّوبدل ہوتا رہے گا۔ یہ اصول و حدود قرآن کریم کے اندر درج اور محفوظ ہیں۔ ہر دور کے انسان باہمی مشاورت سے، ان حدود کے اندر رہتے ہوئے جزئی قوانین خود وضع کریں گے۔ مشاورت کی مشینری کس قسم کی ہوگی۔ اسے بھی اس نے خود متعین نہیں کیا۔ اسے انسانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ وہ طریق تھا جس کے مطابق اسلام کے صدرِ اوّل میں ایسا نظامِ تمدن قائم ہوا جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر کسی قسم کا اقتدار نہیں رکھتا تھا۔ جس میں نہ کوئی حاکم تھا نہ محکوم۔ وہ سب، اصول و اقدارِ خداوندی کے تابع اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کامل آزادی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ چشمِ فلک نے اس جیسا دور پھر کبھی نہیں دیکھا۔ مملکتِ پاکستان کا مطالبہ اور حصول پھر سے اُسی قسم کا نظام قائم کرنے کے لئے عمل میں آیا تھا۔ لیکن افسوس کہ ہم نے یہ مقصد اور منتہا فراموش کر دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اس مقصد اور منتہیٰ کو فراموش کر دیا تو لامحالہ ہمیں بھی انسانوں کا وضع کردہ نظامِ تمدن ہی اختیار کرنا تھا۔ یہ نظامِ تمدن وہ ہے جسے مغرب کا جمہوری نظام کہا جاتا ہے۔ اس کے برسرِ حق ہونے کی ہمارے پاس ایک ہی دلیل ہے اور وہ یہ کہ یہ نظام اب دنیا میں عام طور پر رائج ہے اور اقوامِ مغرب کا پسندیدہ۔ دائے برحالِ ماکہ ہمارے ہاں کے اقامتِ دین کے مدعی بھی اس نظام کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہیں وہ اسے عین مطابقِ اسلام قرار دیتے ہیں۔

اس جمہوری نظام کی مشینری کی ایک شق یہ بھی ہے کہ ایک متعین وقفہ کے بعد ملک میں عام انتخابات کئے جائیں۔ یہ طرزِ انتخاب بجائے خویش مغربی نظامِ جمہوریت کی ناکامی کا بنیادی سبب ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس طرز کے نقائص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس میں ـــ بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے ـــ انتخابات کے سلسلے میں سب سے زیادہ زور اس پر دیا جاتا ہے کہ انتخابات منصفانہ ہونے چاہئیں۔ ان میں دھاندلی نہیں ہونی چاہئے۔ اس سے زیادہ مطالبہ کوئی نہیں کیا جاتا۔ اس بنیادی کمزوری کو آپ ایک مثال سے سمجھئے۔ آپ کے حلقۂ انتخاب کا ایک چھٹا ہوا بدمعاش بطور امیدوار کھڑا ہو جاتا ہے۔ انتخابات بالکل منصفانہ ہوتے ہیں لیکن وہ اس کا انتظام کر لیتا ہے کہ اکاون فیصد ووٹ اس کے حق میں ڈالے جائیں۔ چنانچہ وہ قاعدے اور قانون کے عین مطابق بغیر کسی دھاندلی کے کامیاب ہو جاتا ہے۔ آپ فرمائیے کہ کیا آپ اسے اپنا نمائندہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں گے؟ لیکن سوال آپ کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا نہیں، قانون کی رو سے آپ کو اسے اپنے حلقہ کا نمائندہ تسلیم کرنا ہوگا۔ اب آگے بڑھئے۔ فرض کیجئے کہ اسمبلی میں ایسے لوگ اکثریت حاصل کر لیتے ہیں جنہیں آپ بطیبِ خاطر اپنا نمائندہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن وہ اپنی مدتِ رکنیت کے دوران جس قدر فیصلے کریں گے، انہیں آپ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ خواہ وہ فیصلے کسی قسم کے ہوں۔ ملک کی بڑی سے بڑی عدالت بھی صرف یہ دیکھے گی کہ ان کے یہ فیصلے (یعنی ان کے وضع کردہ قوانین) آئینِ مملکت کی شرائط پوری کرتے ہیں یا نہیں۔

اگر وہ اِن شرائط پر پورے اترتے ہوں تو عدالتِ عالیہ تک کو بھی انہیں مسترد کر دینا تو ایک طرف ان میں کسی قسم کے رد و بدل کا بھی حق حاصل نہیں ہوگا۔ یعنی اِن لوگوں کے فیصلوں کے خلاف آپ کی کوئی اپیل بھی قابلِ قبول قرار نہیں پائے گی۔ یہ ہے موجودہ نظامِ جمہوریت۔ ہم نے اپنے ہاں آئینی طور پر اِس نظام کو قبول اور نافذ کر رکھا ہے اِس لئے آپ کہیں گے کہ اِسے بدلنے کا تو ہمیں حق حاصل نہیں لہٰذا ان حالات میں ہم اِس کے مطابق عمل درآمد پر مجبور ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کو ایک اختیار تو بہرحال حاصل ہے جسے کوئی آئین اور کوئی قانون آپ سے چھین نہیں سکتا۔ یعنی یہ اختیار کہ آپ اس شخص کو ووٹ دیں جس کی صداقت، شرافت، امانت، دیانت اور اہلیت پر آپ کو پورا پورا بھروسہ ہو۔ ایسے شخص کے تولنے اور ماپنے کے لئے قرآن کریم نے ایک ایسا پیمانہ عطا کر دیا ہے جو کبھی غلطی نہیں کرتا۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مخالفین نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے کہ آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو آپ نے (قرآن کی شہادت کے مطابق) فرمایا کہ: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰/۱۶)۔ میں کوئی اجنبی یا نووارد نہیں، میں نے تم میں اس سے پہلے اپنی پوری عمر بسر کی ہے۔ کیا تم اس پر غور کر کے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا۔ اِس میں مِن قَبْلِهِ کا ٹکڑا بڑا بنیادی ہے۔ جب کوئی شخص کسی منصب کے لئے آگے بڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنی وضع کو بڑا مقدس بنا لیتا ہے۔ لیکن اس کا صحیح کیریکٹر اُس کی اس زمانے کی زندگی سے سامنے آ سکتا ہے جب وہ عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ بس یہ ہے صحیح پیمانہ۔ جو شخص بطور امیدوار کھڑا ہو، آپ یہ دیکھئے کہ اس کی پہلی زندگی کس قسم کی گذری ہے۔ اس سے آپ اُس کے کیریکٹر کا اندازہ لگا لیجئے اور اگر وہ صحیح معیار پر پورا اترے تو پھر اس کے حق میں ووٹ دیجئے۔

یہاں تک تو اِس امیدوار کے صرف انسان ہونے تک کی بات تھی۔ اگر آپ اُسے اسلام کے معیار پر پرکھنا چاہتے ہیں تو اس سے کہئے کہ وہ اِس کا اعلان کرے اگر مجلسِ قانون ساز میں کوئی معاملہ ایسا پیش آ گیا جو قرآن مجید کے خلاف ہو تو میں اس کی اعلانیہ مخالفت کروں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو جن لوگوں نے مجھے ووٹ دیا ہوگا انہیں اس کا حق حاصل ہوگا کہ مجھ سے رکنیت سے مستعفی ہو جانے کا مطالبہ کریں۔ اس اعلان سے وہ شخص مسلمانوں کا نمائندہ کہلا سکے گا آپ اس قسم کے نمائندوں کو اکثریت کے ساتھ اسمبلیوں میں بھیجئے اور پھر دیکھئے کہ اِن اسمبلیوں کی ایک ہی مدتِ حیات میں معاشرہ میں کس قدر خوشگوار انقلاب آ جاتا ہے۔

لیکن مروجہ مغربی نظامِ جمہوریت اِن دونوں شرطوں میں سے کسی کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ اس میں "بندوں کو صرف گنتے ہیں تولتے نہیں" اور ان بندوں کی اکثریت کے فیصلوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ چونکہ بندوں کو تولتے نہیں اس لئے انتخابی مہم میں سارا زور پراپیگنڈے پر ہوتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ پروپیگنڈے میں بڑی قوت ہوتی ہے لیکن ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے

یہ حقیقت مترشح ہوئی کہ اس وقت خدا کا قانونِ مکافات بھی جنبش میں آ گیا تھا۔ ہمارے ملک میں پروپیگنڈہ کے فن میں کوئی پارٹی جماعت اسلامی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ میزانِ خداوندی میں کوئی پارٹی بھی اِن سے زیادہ مذموم اور مقبوح قرار نہیں پا سکتی۔ باقی پارٹیوں کا جس قسم کا طرزِ عمل بھی ہو، وہ بہرحال اعتراف کرتی ہیں کہ یہ سیاست کا کھیل ہے جو اسی طرح کھیلا جاتا ہے۔ لیکن اس پارٹی کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ہتھکنڈے وہی استعمال کرتی ہے جو دوسری سیاسی پارٹیاں کرتی ہیں لیکن کہتی یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا اور رسولؐ کے نام پر اقامتِ دین کے لئے کیا جاتا ہے۔ دین فروشی خدا کی نگاہ میں بدترین جُرم ہے۔ اس کی عزت اِسے کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ آپ سوچئے کہ جو جماعت یہ کہے کہ زندگی کی بعض ضرورتوں کے لئے جھوٹ بولنا شرعاً واجب ہو جاتا ہے۔ جس کا مسلک یہ ہو کہ قوم کے سامنے بڑے بڑے ہم آہنگ اصول رکھو لیکن عملی ضروریات کے وقت اُن سب کو بالائے طاق رکھ دو۔ جس کی جرأتیں یہاں تک بیباک ہوں کہ وہ اس دریدہ دہنی میں بھی کوئی باک محسوس نہ کرے کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) رسول اللہ اپنے مخالفین کو صحابہ کے ہاتھوں فریب کارانہ طریق سے مروا دیا کرتے تھے۔ جو کسی وقت یہ کہے کہ انتخابات میں حصہ لینا شرعاً حرام ہے اور پھر دوسرے موقع پر یہ فتویٰ دے کہ انتخابات لڑنا عین مطابقِ اسلام ہے، کیا اس قسم کی جماعت کے خلاف رب العزت کی غیرت جوش میں نہیں آ جائے گی؟ یہ کس طرح جوش میں آئی، اِس کا نظارہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں دنیا نے خود دیکھ لیا۔ انتخابات ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ہونے والے تھے۔ مودودی صاحب نے ۶ دسمبر کی شام فرمایا تھا کہ:-

> جماعتِ اسلامی کے نمائندے انتخابات میں بڑی تعداد میں کامیاب ہوں گے ـــــ ماضی قریب میں جماعتِ اسلامی کی اہمیت اور مرکزیت میں روز بروز تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اِن حالات میں جماعت کے ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (طلوعِ اسلام۔ جنوری ۱۹۷۱ء۔ صـ۲۰)

اِن انتخابات کے لئے پروپیگنڈہ کس قدر وسیع پیمانے پر کیا گیا اِس کے لئے روزنامہ مشرق کی چار اشاعتیں (بابت ۳، ۴، ۵، ۶ دسمبر ۱۹۷۰ء) شاہد ہیں۔ ان میں خدا اور رسولؐ کے نام پر ووٹوں کی عام اپیل کی گئی۔ انڈونیشیا سے لے کر ترکی تک مختلف مشاہیر کے پیغامات نشر کئے گئے۔ اولیائے عظام اور بزرگانِ کرام کی دعاؤں کو عرشِ اعظم تک پہنچایا گیا۔ امیرِ جماعت نے فنڈ کی خاص اپیل کی۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے (۴۸۹) امیدوار کھڑے کئے گئے جن کے متعلق بتایا گیا کہ ان میں قانون دان، پروفیسر، اساتذہ، پرنسپل، ریٹائرڈ جج، ڈاکٹر، انجینئر، صحافی، پیر صاحبان، ریٹائرڈ اعلیٰ فوجی آفیسر، مستند علمائے دین، گریجویٹ و پوسٹ گریجویٹ حضرات شامل تھے۔ ۶ دسمبر ۱۹۷۰ء تک یہ تمام پروپیگنڈہ کیا

گیا اور ۷ دسمبر کو جب انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوا تو اس جماعت کو ایسی ذلت آمیز شکست نصیب ہوئی جس کی مثال ہماری تاریخ میں شاید ہی ملے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ:-

(اگر ہم ناکام رہ گئے ہیں تو کیا ہوا) "بعض انبیاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ساری عمر دین کی طرف دعوت دینے میں کھپا دی اور ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ ہمیں تو گذشتہ ایک سال کی جدوجہد میں کئی لاکھ نئے حامی مل گئے"۔

(ایشیاء - ۳ جنوری ۱۹۷۱ء و ترجمان القرآن جنوری ۱۹۷۱ء)

لیکن جماعت اسلامی کے پروگرام میں انتخابات محض دفع الوقتی کے لئے ہوتے ہیں یا فنڈ اکٹھا کرنے کے لئے۔ اُن کے عزائم کچھ اور ہیں۔ چنانچہ میاں طفیل محمد صاحب نے اس شکست کے بعد فرمایا تھا:-

چند لوگ ہمیں کمزور تصور کرتے ہیں لیکن جب وقت آیا اور ہم نے اقتدار سنبھالنے کا ارادہ کر لیا تو یہ لوگ تو کیا، امریکہ، بھارت اور روس مل کر بھی ہماری طاقت کے سامنے ایک منٹ نہیں ٹھہر سکیں گے۔ مشرقی پاکستان میں جماعت کے پانچ سو کارکن تھے۔ لیکن انہوں نے اس نازک دور میں بھی اپنی بھرپور طاقت کا لوہا منوا لیا۔ یہاں جماعت کے چند ہزار کارکن ہیں لیکن ہم کمزور ہرگز نہیں ہیں۔ اور جب وقت آیا تو لوگوں کو ہماری طاقت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ جماعتِ اسلامی کی تحریک پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اسلامی سوشلسٹ ممالک میں بھی ہمارے کارکن خفیہ طور پر کام کر رہے ہیں۔　　(امروز لاہور - ۶ر نومبر ۱۹۷۰ء)

خود مودودی صاحب بھی یہ فرما چکے ہیں کہ:-

اگر پاکستان میں انتخابات کے ذریعے اسلامی نظام شریعت کا نفاذ نہ ہو سکے تو اسلامی انقلاب لانے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہو سکتے ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور - ۲۷ر اپریل ۱۹۷۰ء)

یہ عزائم جس قدر خطرات در آغوش ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ نہ حکومت ان کا کوئی نوٹس لیتی ہے اور نہ ہی قوم ان سے پوچھتی ہے کہ ان "دوسرے طریقوں" سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ بہرحال، اب تو جماعت اسلامی انتخابات میں حصہ لے رہی ہے۔ ان میں شکست کے بعد دیکھنا چاہیئے کہ کیا گل کھلاتی ہے۔ لیکن ہم ان پر اتنا واضح کئے دیتے ہیں کہ اگر انتخابات میں شکست سے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ قوم کے دل میں ان کا کس قدر احترام اور وقار ہے؛ تو اگر انہوں نے کسی ناخوشگوار اقدام کی جسارت (یا حماقت) کی تو انہیں معلوم

ہو جائے گا کہ قوم اب ان کی اصلیت سے کس قدر باخبر ہو چکی ہے۔ قوم کو اب مزید دھوکے میں نہیں رکھا جا سکتا۔

جہاں تک تحریکِ طلوعِ اسلام کا تعلق ہے، ہم عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ نہ ہماری اپنی کوئی سیاسی پارٹی ہے، نہ ہم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہوسکتے ہیں۔ اگر بزمِ طلوعِ اسلام کا کوئی رکن کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونا چاہے تو اسے بزم کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑتا ہے۔ بزم کا رکن البتہ اپنی ذاتی حیثیت سے آزاد امیدوار کے طور پر اسمبلی کی رکنیت کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس اسمبلی میں کوئی مسئلہ ایسا سامنے آئے گا جو قرآن مجید کے خلاف ہوگا تو وہ اس کی مخالفت کرے گا۔ انتخابات شروع مارچ میں ہوں گے۔ اس دوران میں ظاہر ہے کہ ملک انتخابی سرگرمیوں کے بحران میں مبتلا ہوگا۔ لیکن طلوعِ اسلام کی بزموں کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ کسی ہنگامہ میں حصہ نہ لیں۔ اپنی صوابدید کے مطابق بہترین امیدوار کے حق میں ووٹ دیں، اور نہایت ہی خاموشی اور سکون سے، قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے پروگرام پر عمل پیرا ہوں۔ یہ سب ہنگامے رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے اور آخر الامر سربلندی قرآن ہی کے پیغام کو نصیب ہوگی۔

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (۲۲/۴۱)

ضرورتِ رشتہ

ایک دوشیزہ ــــ عمر قریب ۲۷ سال، تعلیم بی۔ اے کے لئے شریف، برسرِ روزگار ذمہ دار لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ خط و کتابت بصیغۂ راز۔

(ل۔ ب)

معرفت۔ ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

ضروری تصحیح

(۱) طلوعِ اسلام بابت جنوری ۱۹۷۷ء۔ صفحہ ۳۷۔ زیرِ عنوان "...... را حافظ نباشد" دوسری سطر میں "آغا حشر کاشمیری" کے بجائے "آغا شورش کاشمیری" پڑھیئے۔

(۲) صفحہ ۴۹ زیرِ عنوان "شرکاء مذاکرہ" کی فہرست نمبر ۱۲ کا نام "عبدالقیوم انجم (ایل۔ ایل۔ بی)" پڑھیئے۔

(ادارہ)

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

امام ابوحنیفہؒ سے عقیدت کے تقاضے

(ماہنامہ "نورِ اسلام" کے امام اعظمؒ نمبر کی ایک جھلک)

حنفی فقہ کے بانی، حضرت امام ابوحنیفہؒ، اسلامی قانون کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلے میں انہوں نے جو خطوط متعین کئے انہیں بہت جلد قبولِ عام حاصل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت امتِ مسلمہ میں آپ کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں کے متعلق سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ابھی تک بہت کچھ لکھنے کی ضرورت باقی ہے۔ شرق پور شریف (ضلع شیخوپورہ) سے شائع ہونے والے دینی ماہنامے، نورِ اسلام، نے اسی ضرورت کے تحت اپنا ایک خصوصی شمارہ امام اعظمؒ نمبر شائع کیا ہے، جو تقریباً ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت تیرہ روپے۔ آیئے دیکھیں کہ اس ضخیم شمارے میں امتِ مسلمہ کی اس برگزیدہ ہستی سے کہاں تک انصاف کیا گیا ہے!

یہ خصوصی شمارہ کوئی دو درجن مقالات پر مشتمل ہے، جو ہمارے ملک کے بڑے بڑے علمائے دین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ چونکہ یہ عقیدت مندوں کی جانب سے ہدیۂ تبریک ہے اس لئے فطرتاً اس کی ایک ایک سطر سے حضرت امام اعظمؒ سے محبت جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن چونکہ مختلف حضرات کے محبت کے پیمانے جدا جدا ہوتے ہیں اس لئے اس شمارے میں بھی حضرت امامؒ کے بارے میں بہت سی متضاد باتیں جمع کر دی گئی ہیں جن میں سے چند ایک کا مختصر الفاظ میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے اس شمارے کی ایک اہم خصوصیت کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگا۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ ان مقالات کے لکھنے والے کم و بیش دو درجن علمائے دین نے خطیب بغدادی کی مشہور تاریخ بغداد کے بکثرت حوالے دیئے ہیں، حالانکہ کل تک ہمارے یہی حنفی حضرات اس کتاب کی پُرزور مذمت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کی تردید میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تاریخ بغداد سے ان حضرات کی ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب کی تیرھویں جلد میں حضرت امام ابوحنیفہ کے جو سوانح مرتب کئے گئے ہیں ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام موصوفؒ نے حنفی فقہ کی تدوین میں احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ سے بہت کم مدد لی ہے۔ بلکہ جن احادیث کو ہمارے ائمۂ حدیث صحیح اور

مستند قرار دیتے تھے اور قرار دیتے ہیں۔ (بقول خطیب بغدادی) امام ابوحنیفہؒ ان کا استخفاف کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ انہیں صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ جس طرح شمارۂ زیرِ تبصرہ میں خطیب بغدادی کی تاریخ کے حوالے دیئے گئے ہیں، ان سے کم از کم اتنا معلوم ہو گیا کہ زمانے کے تقاضوں نے پرانے علماء حضرات کو خطیب بغدادی کی تحقیق کو معتبر سمجھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

مجموعہ کا پہلا مضمون، بعنوان سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ نعمانؒ، بڑی محنت اور علمی انداز سے مرتب کیا گیا ہے، جس میں مختلف کتابوں کی مدد سے امام اعظمؒ کی سیرت اور شخصیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں مدیرِ مجلہ نے اس کے آخری حصے پر قینچی کیوں چلا دی[1]۔ کیونکہ یہیں تو مضامین میں وہی حصہ سب سے زیادہ دلچسپی دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، دوسرے مضامین میں کافی تضاد موجود ہے، لیکن افسوس ہے کہ مدیرِ مجلہ نے ان (تضادات) کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہا۔ اور جو مواد ان کے پاس جمع ہو گیا، اسے ایک مجموعے کی صورت میں شائع کر دیا۔ مثلاً، صفحہ پچاس پر مستند تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرتِ امام آخری عمر تک خلیفہ منصور کے مشیر رہے اور وہ تمام حل طلب مسائل و معاملات پر آپ کے مشورے کے مطابق حکم صادر کرتا تھا۔ (صفحہ ۵۰) لیکن اس کے برعکس بعد کے اکثر مضامین میں یہ دکھایا گیا ہے کہ قاضی کا عہدہ قبول نہ کرنے پر خلیفہ منصور نے آپ کو برسرِ عام کوڑے لگائے، پھر جیل میں ڈال دیا، جہاں کچھ عرصہ بعد زہر دے کر آپ کا کام تمام کر دیا گیا۔ ان دونوں واقعات میں زمین و آسمان کا تضاد ہے۔ مدیرِ مجلہ کو چاہیئے تھا کہ بات واضح کرتے۔ انہوں نے اس باب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

اسی طرح، حضرت امامؒ کے قاضی کا عہدہ قبول نہ کرنے کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ آپ اسے دین فروشی سمجھتے تھے۔ (صفحہ ۱۰۹) لیکن آپ کی وفات کے بعد، حنفی فقہ کے دوسرے ستون جنہوں نے ہم تک حنفی فقہ پہنچائی، یعنی امام ابو یوسفؒ نے اس عہدے کو قبول فرما لیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سرکاری عہدہ قبول کرنا دین فروشی تھا تو پھر امام ابو یوسفؒ نے اسے کیوں قبول فرما لیا؟ ہمارے ان دو درجن علماء میں سے کسی نے اس کی وضاحت نہیں کی۔

اکثر مضامین میں، حضرت امامؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں جیل خانے میں دکھائی گئی ہے، جہاں پانچ سال پہلے خلیفہ منصور نے انہیں ڈال دیا تھا۔ دوسری طرف ہم تک حنفی فقہ کی جو بنیادی کتابیں پہنچی ہیں وہ امام محمدؒ کے قلم سے ہیں۔ جن کی پیدائش ۱۳۲ھ، اور بعض روایات کے مطابق، ۱۳۳ھ میں ہوئی۔ یعنی حضرت امامؒ کے قید ہونے کے وقت امام محمدؒ کی عمر یہی کوئی بارہ تیرہ سال کی تھی۔ علامہ شبلیؒ (مرحوم) کی تحقیق کی رو سے اُن دنوں بیس سال سے کم عمر کے طالب علموں کو،

---

[1] انہوں نے خود ایسا کہا ہے۔ (طلوعِ اسلام)

چاہے وہ کتنے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں، درسِ حدیث میں شامل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اور فقہ کی تعلیم تو بہرحال قرآن و حدیث میں مکمل مہارت حاصل کرنے کے بعد ہی شروع ہوتی تھی۔ اس حساب سے امام محمدؒ کو نہ صرف امام ابوحنیفہؒ کا شاگرد ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ مروجہ حنفی فقہ کی تدوین کا معاملہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔ ان علما کو اس بارے میں تاریخی تحقیق پیش کرنی چاہیئے تھی۔

ہمارا موجودہ دور معاشیات کا ہے، اور ائمہ فقہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ خود بڑے بڑے تجارتی اداروں کے مالک تھے جس کی وجہ سے انہیں معاشی امور کا عملی تجربہ بھی تھا۔ اس موضوع پہ ان کے خیالات سرمایہ داری نظام کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ اگر اس موضوع پہ ان کے کچھ فیصلے نقل کر دیئے جاتے تو موجودہ دور کے سرمایہ داری کے چکر میں پھنسی اُمت ان سے رہنمائی حاصل کر لیتی۔ مثلاً حضرتِ امامؒ زمین کی بٹائی کے نظام کو شریعتِ اسلامی میں حرام قرار دیتے تھے۔ کیونکہ حضورؐ نے اسے سودی معاملہ قرار دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد اور ہدایہ باب المزارعت) لیکن ہم نے سرمایہ داری کی کئی دوسری شقوں کی طرح جو بالبداہت ربوٰ کے ذیل میں آتی ہیں، مزارعت کو بھی "شرعاً" جائز قرار دے رکھا ہے۔

ہمارے خیال میں اگر حضرتِ امامؒ کے صرف مذکورہ بالا فیصلے ہی کو مدِنظر رکھا جائے تو ہماری معاشیات میں انقلاب آ سکتا ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ زیرِ تبصرہ مجموعے میں کسی نے امام صاحب کے معاشی نظریات کے بارے میں بھول کر بھی اشارہ نہیں کیا، جس کی وجہ سے یہ غلط تاثر قائم ہوتا ہے کہ حضرتِ امامؒ نے محض وضو اور طہارت کے جزئی مسائل میں ہی اپنی عمرِ عزیز کھپا دی تھی۔ ہمارے خیال میں یہ امام صاحبؒ سے انصاف نہیں اور نہ ہی یہ صحیح عقیدت مندی ہے کہ ان کے بارے میں جو رطب و یابس ملے اسے اکٹھا کر کے شائع کر دیا جائے۔ ان سے عقیدت مندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے ایسے فیصلوں کو بھی سامنے لایا جاتا جو سسکتی ہوئی انسانیت کے دکھوں کا علاج ثابت ہوتے۔

تاریخ خطیب بغدادی کے جو اقتباسات اس رسالہ کے مختلف مضامین میں دیئے گئے ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ خطیب اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مہران نے فرمایا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضورؐ کی قبرِ مبارک کو کرید رہے ہیں۔ تو انہوں نے محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قاصد بھیج کر تعبیر حاصل کی، تو انہوں نے فرمایا۔ یہ خواب دیکھنے والا علومِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کرے گا جیسی کہ پیشتر ازیں کسی نے نہیں کی۔ ہشام رحمۃ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے نظر و فکر کے بعد اس میں

لب کشائی کی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳) (ماہنامہ کا ص۱۳۱)

۲۔ خلیفہ منصور کے درباریوں میں ابوالعباس طوسی حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین میں سے تھا۔ ایک دن جبکہ امام ابوحنیفہؒ خلیفہ کے دربار میں موجود تھے ان سے ایک سوال اس نیت سے کیا کہ آج ابوحنیفہؒ کو خلیفہ سے قتل یا ذلیل و خوار کراؤں گا۔ کہا، ابوحنیفہؒ بتائیے کہ امیرالمؤمنین کسی کی گردن مارنے کا حکم دیں جبکہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے قصور کیا کیا ہے، تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ امام صاحبؒ اس کے مقصد کو بھانپ گئے اور کہا۔ ابوالعباس پہلے یہ بتاؤ کہ امیرالمؤمنین صحیح حکم دیتے ہیں یا غلط؟ ابوالعباس طوسی نے کہا کہ وہ تو غلط حکم نہیں دیتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ صحیح حکم (کی تعمیل) کرنے میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں! پھر حضرت امام نے فرمایا، یہ مجھے پھنسانا چاہتا تھا۔ مگر میں نے جکڑ لیا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ بحوالہ امام ابوحنیفہ تالیف ابوزہرہ مصری صفحہ ۸۳) (ماہنامہ کا صفحہ ۱۲۵)

۳۔ خطیب بغدادی نے امام شافعیؒ سے اسی مفہوم کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں:

مارایتُ احد افقہ من ابی حنیفۃ۔ الناس عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ۔ مَن اراد ان یتبحر فی الفقہ فھو عیالٌ علی ابی حنیفۃ۔ (خطیب بغدادی "تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص۳۴۶)

(ترجمہ) میں نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ جو بھی فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو وہ امام صاحب کا عیال ہے۔

(ماہنامہ کا ص۱۲۶)

۴۔ مروی ہے کہ ایک شخص امام مزنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اہل عراق کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے امام مزنی سے کہا۔ ابوحنیفہؒ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ امام مزنی نے کہا۔ "اہل عراق کے سردار" اس نے پوچھا اور ابویوسف کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ وہ بولے، وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اس نے پھر کہا، اور امام محمدؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ مزنی بولے، وہ تفریعات میں سب پر فائق ہیں۔ وہ بولا۔ اچھا تو زفر کے متعلق فرمائیے۔ امام مزنی بولے، وہ قیاس میں سب سے زیادہ تیز ہیں۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۴ ترجمہ ابویوسف قاضی بحوالہ ابوزہرہ۔ ص۳۵) (ماہنامہ کا ص۱۲۷)

۵۔ خطیب بغدادی نے امام اعظمؒ کی ذہانت و فطانت کے کئی واقعات درج کئے ہیں۔ ایک میں ابویوسف سے حوالے سے لکھا ہے:۔

"ایک دفعہ منصور نے ابوحنیفہؒ کو بلا بھیجا۔ منصور کے حاجب ربیع نے جو آپ کا جانی دشمن تھا، کہا۔ امیرالمؤمنین! یہ ابوحنیفہؒ جو آپ کے دادا کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی شخص حلف

اٹھا لے اور اس کے ایک یا دو دن بعد بھی انشاء اللہ کہہ لے تو یہ جائز ہے ۔۔۔ مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ استثناء یعنی انشاء اللہ حلف سے متصل ہونا چاہیئے۔ ابوحنیفہؒ بولے! امیرالمومنین ربیع کا گمان ہے کہ آپ کی فوج کے لوگ آپ کے حلقۂ بیت میں داخل نہیں ہیں۔ خلیفہ بولا، وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا وہ یوں کہ آپ کے روبرو حلف اٹھا لیں اور پھر گھر جا کر استثناء کر لیں۔ اس طرح ان کی قسم باطل ہو جائے گی۔ منصور ہنس پڑا، اور ربیع سے کہا۔ ابوحنیفہؒ سے تعرض نہ کیجئے۔ جب ابوحنیفہؒ نکلنے لگے تو ربیع نے ان سے کہا، آپ نے تو میرا خون بہانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ فرمایا۔ یوں نہ کہئے بلکہ میرا خون بہانے کا ارادہ آپ نے کیا تھا۔ میں نے تمہاری بھی گلو خلاصی کرا دی اور خود اپنی بھی رہائی کرا لی۔

(خطیب بغدادی، تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۲، ۳۶۵ تا ۳۷۰) ماہنامہ کا صفحہ ۱۶۹ - ۱۶۸)

طلوع اسلام

شہاب صاحب نے اپنے تبصرہ میں کہا ہے کہ ہمارے علماء حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ کسی مصنف کی کتاب سے ایسے اقتباسات پیش کئے جائیں، جو ان کی منشا کے مطابق ہوں تو وہ اس کتاب کو نہایت مستند قرار دیں گے۔ لیکن اگر اسی کتاب سے ایسے حوالے درج کر دیئے جائیں جو ان کی منشا کے مطابق نہ ہوں تو یہ بلا تامل پکار اٹھیں گے کہ وہ کتاب یکسر ناقابلِ اعتماد ہے۔ اس کی ہم ایک زندہ شہادت پیش کرتے ہیں — جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں، مجلہ 'نورِ اسلام' کے مقالہ نگار حضرات نے اپنے مضامین میں خطیب بغدادی کی تاریخ سے بکثرت اقتباسات درج کئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ اسے مستند اور قابلِ اعتماد تصنیف سمجھتے ہیں۔ کچھ عرصہ کی بات ہے، ہم نے ایک مقالہ میں اسی کتاب (خطیب بغدادی کی تاریخ) سے ایسے اقتباسات پیش کئے، جن میں احادیث کے متعلق امام اعظمؒ کے نظریہ اور مسلک کی وضاحت کی گئی تھی۔ چونکہ بغدادیؒ کے وہ بیانات ہمارے حنفی علماء کے منشا کے خلاف جاتے تھے اس لئے انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ بغدادی نہایت ناقابلِ اعتماد مؤرخ ہے۔ اس کی کسی بات کا یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ ہے ان حضرات کی وہ ذہنیت جس کی وجہ سے یہ، علم، حقیقت اور صداقت تک کبھی نہیں پہنچ پاتے۔ اندھی تقلید میں ہوتا ہی یہی ہے۔ دین میں غلط اور صحیح کے پرکھنے کا معیار خدا کی کتاب ہے۔ اگر یہ حضرات اس معیار کو تسلیم کر لیں تو امت بہت سی گمراہیوں سے نکل جائے۔

چونکہ بات چل نکلی ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ عمومی افادہ کے لئے اس مقالہ کو درج ذیل کر دیا جائے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے

مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہ حدیث کے متعلق امام اعظمؒ کا مسلک کیا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اور حدیث

قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں جزئیات مرتب کرنے کو فقہ کہتے ہیں۔ دورِ صحابہؓ میں فقہ کے کوئی خاص اصول مدوّن نہیں ہوئے تھے۔ اس باب میں سب سے پہلی اور نہایت کامیاب کوشش امام ابوحنیفہؒ کی ہے جو اُمت میں امام اعظمؒ کے لقب سے متعارف ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا صحیح مقام بھی یہی تھا۔ وہ فن فقہ کے امام تھے اور بہت بڑے امام۔ ان کی طرف منسوب فقہ پر آج تک عمل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس وقت بھی دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت اسی فقہ کی تقلید کرتی ہے۔ اس حقیقت سے ہر صاحب علم واقف ہے کہ امام اعظمؒ کی فقہ کا مدار قیاس پر ہے۔ قیاس کے معنی یہ ہیں کہ ہم قرآنِ کریم کے اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے جزئیات مرتب کریں[1]۔ اہلِ علم حضرات سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں کہ امام اعظمؒ نے اپنی فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے بہت کم مدد لی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں حدیثیں مل نہیں سکتی تھیں وہ ایک قول کے مطابق ۶۱ھ میں اور دوسرے کے مطابق ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ تک زندہ رہے۔ اس دور میں حدیثوں کا جمع کرنا اُس زمانہ سے زیادہ آسان تھا جس زمانے میں "امام بخاریؒ" (متوفی ۲۵۶ھ) نے یہ کام کیا۔ جہاں تک احادیث کی پہچان کا تعلق ہے محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یوسفؒ کو کہتے ہوئے سُنا کہ میں اکثر احادیث کی طرف مائل ہو گیا ہوں مگر یہ واقعہ ہے کہ ابوحنیفہ کو صحیح حدیث کی پہچان مجھ سے کہیں زیادہ تھی۔ (تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۳ ص ۳۴۴) اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہ تو حدیث کو وحی الٰہی کی طرح غیر متبادل سمجھتے تھے اور نہ ہی شک و شبہ سے بالا۔ وہ دین کی بنیاد سرتاپا یقینیات پر قائم سمجھتے تھے اور یقینی دین صرف کتاب اللہ کے اندر محصور تھا۔ چنانچہ علی ابن المدینی، عبدالرزاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں معمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ عبداللہ ابن مبارک آ گئے تو ہم نے معمر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں جو ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر طور پر فقہ میں کلام کر سکے، اور عقل و قیاس سے کام لے سکے، اور مخلوق کے لئے فقہ میں نجات کی راہ کو کھول کر بیان کر سکے، اور خدا کے دین میں شک و شبہ

---

[1] یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہوگا۔ (طلوع اسلام)

کی کوئی بات داخل کرنے سے ابوحنیفہؒ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ (خطیب۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۴۹) وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور اہل الرائے کے مشورہ سے فقہ کی تدوین کرتے۔ اس کے بعد اگر کوئی یہ کہتا کہ آپ کا یہ فیصلہ رسول اللہ کی حدیث کے خلاف ہے تو وہ اس کے جواب میں وہی کہتے ہیں جو حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ کا وہ فیصلہ اس زمانہ کے لئے تھا۔ اب حالات بدل چکے ہیں، اس لئے اس فیصلہ میں تبدیلی ہونی ضروری ہے۔ یا وہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ کے اتباع میں یہ کہتے کہ کیا معلوم رسول اللہ نے کیا فرمایا تھا اور سننے والے نے اسے کیا سمجھا۔ ہم کتاب اللہ کی موجودگی میں اس قسم کی غیر یقینی چیزوں کو دین کا حصہ نہیں قرار دے سکتے۔ چونکہ وہ اس حقیقت کو نمایاں کر دینا چاہتے تھے کہ احادیث رسول اللہ نہ تو یقینی ہیں اور نہ غیر متبدل، اس لئے بعض اوقات حدیث کے رد میں سختی تک بھی اختیار کر لیتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ احادیث کو ناقابل تبدیل نہیں سمجھتے تھے

امام ابو سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ کسی کو اللہ پر جرأت کرنے والا نہیں دیکھا۔ وہ رسول اللہ کی احادیث کے لئے مثالیں بیان کرتے اور ان کو رد کر دیا کرتے تھے[1]۔ امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا کہ میں یہ حدیث نقل کرتا ہوں۔ " ان البیّعان بالخیار ما لم یتفرقا (بائع اور مشتری جب تک علیحدہ نہ ہو جائیں انہیں معاملہ فسخ کر دینے کا اختیار رہتا ہے۔) ابوحنیفہؒ کہنے لگے۔ " ذرا بتاؤ تو سہی۔ اگر دونوں کسی ایک کشتی میں سفر کر رہے ہوں، اگر دونوں قیدخانہ میں ایک ساتھ ہی قید ہوں۔ اگر دونوں ایک ساتھ ہی کسی سفر میں ہوں، تو کس طرح جدا ہوں گے۔ (اور کیونکہ ان کا معاملہ تکمیل پذیر ہوگا؟) مفضل بن موسیٰ سیتانی کہتے ہیں کہ میں نے خود ابوحنیفہؒ کو کہتے سنا ہے کہ میرے ساتھیوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دو قلے پیشاب کر دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو کہ " پانی اگر دو قلے ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا" کو رد کرتے ہوئے ایسا فرمایا تھا۔ (خطیب ج ۱۳ ص ۳۸۹)

امام اعظمؒ نے چار سو سے زیادہ احادیث کو رد کیا

ابو صالح فراء کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن اسباط کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ " امام ابوحنیفہؒ نے رسول اللہ کی چار سو بلکہ چار سو سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کر دیا ہے۔" میں نے یوسف سے پوچھا۔ اے ابو محمدؒ! آپ کو وہ حدیثیں معلوم ہیں۔ کہنے لگے ہاں معلوم ہیں۔ میں نے کہا تو مجھے کچھ حدیثیں بتلایئے۔ یوسف بن اسباط نے کہا کہ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے۔

---

[1] یعنی ان حدیثوں کو جو ان کے نزدیک صحیح نہیں قرار پا سکتی تھیں۔ (طلوعِ اسلام)

کہ مالِ غنیمت میں گھوڑے کے دو حصے اور پیادہ آدمی کا ایک حصہ ہے۔" مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ "میں ایک جانور کا حصہ ایک مومن کے حصہ سے زیادہ نہیں کر سکتا۔" حضور اکرمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ نے قربانی کے جانوروں پر نیزہ مار کر نشان لگایا ہے مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ "ایسا کرنا ایک جاندار کی صورت کو بگاڑنا ہے۔" رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ "جبتک فروخت کرنے والا اور خریدار جُدا نہ ہوں ان کو بیع فسخ کر دینے کا رہتا ہے۔" مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب معاملہ ہو چکا ہو تو پھر کوئی اختیار نہیں رہتا۔" رسول اللہ کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو سہراہ لے جانے کے لئے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کے اصحابؓ کا بھی اسی پر عمل رہا۔ مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی خالص قمار اور جُوا ہے۔

ابوسائب کہتے ہیں کہ میں نے (حدیث کے مشہور امام) وکیع کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کو دو سو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے پایا ہے۔" عبدالاعلیٰ بن حماد اپنے والد حماد بن سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ کی حدیثیں آتی تھیں مگر وہ اپنی رائے سے ان کو رد کر دیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی مؤمل کے واسطہ سے حماد بن سلمہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ (خطیب ج ۱۳ ص ۳۹۱-۲۹۰)

انکارِ حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا تشدد

ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس جا کر مسائل جہاد کے متعلق سوالات کیا کرتا تھا، ایک دن میں نے ایک مسئلہ پوچھا۔ ابوحنیفہؒ نے اس کا جواب دیا۔ اس پر میں نے کہا کہ اس بارہ میں رسول اللہ کا ارشاد تو اس طرح ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا۔ "تمہیں اس سے معاف رکھو۔" ایسے ہی ایک اور دن میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا انھوں نے جواب دیا میں نے پھر کہا کہ اس بارہ میں رسول اللہ سے تو ایسا ایسا منقول ہے۔ تو ابوحنیفہؒ نے کہا "اسے لے جا کر خنزیر کی دم سے رگڑ دو۔"[1] ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ میں نے بادشاہ وقت کے خلاف خروج (بغاوت) کے ناجائز ہونے پر ابوحنیفہؒ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو ابوحنیفہؒ کہنے لگے کہ یہ حدیث خرافات میں سے ہے۔ علی ابن عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کو رسول اللہ کی حدیث سنائی تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ، میں اسے قبول (تسلیم) نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ کا ارشاد ہے۔ ابوحنیفہؒ نے پھر کہا ہاں ہاں میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ (خطیب ج ۱۳ ص ۳۸۷)

بشر بن المفضل کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بیان کیا کہ نافعؒ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا، بائع اور مشتری (فروخت کنندہ اور خریدار) جب تک جُدا نہ ہو جائیں انھیں

---

[1] امام اعظمؒ کے اصل عربی الفاظ یہ ہیں۔ فقال حک ھذا بذنب خنزیر (خطیب ج ۱۳ ص ۳۸۶ سطر ۱۲)

فسخ بیع کا اختیار رہتا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا یہ تو محض ایک رجز (جنگی گیت) ہے۔ میں نے کہا کہ قتادہؒ حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا تو رسول اللہ نے بھی اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ محض بکواس (ہذیان) ہے۔ عبدالصمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا۔ (افطر الحاجم والمحجوم) سینگی لگوانے والے اور لگانے والے) دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا، محض قافیہ بندی ہے۔ ایسے ہی ان کے سامنے ولاء کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ نقل کیا گیا تو ابوحنیفہؒ نے کہا یہ کسی شیطان کا قول ہے۔ (عبدالوارث نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔) یحییٰ ابن آدم کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے یہ حدیث نقل کی گئی کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے۔ "وضو آدھا ایمان ہے"۔ ابوحنیفہؒ کہنے لگے پھر تو دو وضو کر ڈالو تاکہ تمہارا ایمان مکمل ہو جائے۔ اسی طرح ابوحنیفہؒ کے سامنے یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ۔۔۔۔۔ " لا ادری ۔۔۔ (میں نہیں جانتا) کہہ دینا بھی آدھا علم ہے"۔ ابوحنیفہؒ کہنے لگے کہ بس پھر تو دو مرتبہ لا ادری کہہ دینا چاہیئے۔ تاکہ علم مکمل ہو جائے۔

یہ احکام گذر چکے اور ختم ہو چکے

بشر ابن السری کہتے ہیں کہ میں ابوعوانہؒ کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس ابوحنیفہؒ کی کوئی کتاب ہے۔ ذرا اسے نکال دیجئے (میں اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں) ابوعوانہ کہنے لگے بیٹا! تم نے خوب یاد دلایا۔ چنانچہ وہ ایک صندوق کی طرف اُٹھ کر گئے، اور ایک کتاب نکالی اور ریزہ ریزہ کر کے اسے پھینک دیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ کہنے لگے ۔۔۔ "میں ایک روز ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ سلطان کی طرف سے ایک ایلچی آیا اس نے کہا امیر نے پوچھا ہے کہ ایک آدمی نے شہد کا چھتہ چرا لیا ہے۔ اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ ابوحنیفہؒ نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ اس کی قیمت اگر دس درہم ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ ایلچی چلا گیا تو میں نے ابوحنیفہؒ سے کہا۔" تم خدا سے نہیں ڈرتے؛ مجھ سے یحییٰ بن سعید (قطان) نے بیان کیا ہے، انہوں نے محمد بن حبان سے، انہوں نے رافع بن خدیج سے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ پھل پھلواری کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ فوراً اس آدمی کی مدد کو پہنچئے ورنہ امیر کے ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ ابوحنیفہؒ نے پھر بلا کسی ہچکچاہٹ کے کہا۔ "یہ حکم گذر چکا اور ختم ہو چکا"۔ چنانچہ اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ان تفاصیل کے بیان کرنے کے بعد، ابوعوانہ نے کہا کہ ایسے آدمی کی کوئی کتاب میرے پاس نہیں رہنی چاہیئے۔

(خطیب ج ۱۳ ص ۹۱ - ۲۶)

عقیقہ کرنا جاہلیت کے اعمال میں سے ہے

ابوبکر اثرم کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ نے ہمارے سامنے عقیقہ کے باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں، صحابہؓ کے آثار اور تابعینؒ کے اقوال بیان کئے۔ پھر بطور تعجب کے مسکراتے ہوئے فرمانے لگے۔ مگر ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ محمد بن یوسف بیکندی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا گیا کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ امام احمد کہنے لگے، مسکین ابوحنیفہؒ! گویا وہ عراق میں تھے ہی نہیں۔ گویا انہیں علم سے کچھ مَس تھا ہی نہیں۔ اس باب میں رسول اللہ صحابہؓ اور تبعیںؒ کے قریب کبار تابعینؒ، سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس اور عکرمہ وغیرہ کے ارشادات اور اقوال موجود ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں پڑ سکتی۔ ابوحنیفہؒ ایسا کہنے کی جرأت کیونکر کرتے ہیں کہ طلاق پڑ جاتی ہے۔ (خطیب ج ۱۳ صفحہ ۴۱۱)

آپ نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق فقہ اسلامی کے سب سے بڑے امام کا مسلک کیا ہے۔ ان کی مدوّن زمودہ یا ان کی طرف منسوب کردہ فقہ مسلمانوں کی اکثریت میں رائج ہے۔ لیکن ہمارے ہاں نہ تو امام اعظمؒ کو منکرِ حدیث کہا جاتا ہے اور نہ ہی حنفی مسلمانوں کو، حالانکہ جس تشدد سے انکارِ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے ہاں پایا جاتا ہے کسی "منکرِ حدیث" کے ہاں کم ہی ایسا پایا جاتا ہوگا۔

اگر میں رسولؐ اللہ کے عہد میں ہوتا تو!

امام اعظمؒ نے اپنے اس مسلک کی تائید میں دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ تعیین جزئیات (تدوین فقہ) میں صحابہ رضؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جس کی رائے بہتر معلوم ہوتی تھی اسے اختیار فرما لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اگر میں بھی رسول اللہ کے زمانہ میں ہوتا تو میں بھی اس مجلس مشاورت میں شریک ہوتا، اور میرا خیال ہے کہ کئی امور میں میری رائے کو اختیار فرما لیتے۔ چنانچہ:

> محمود بن موسےٰ کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن اسباط سے سنا کہ امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ مجھے پاتے اور میں ان کو پاتا تو بہت سی باتوں میں یقیناً آپ میرے قول کو اختیار فرما لیتے۔ اور ابواسحٰق کو میں نے کہتے سنا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے اکثر نبی صلعم کی حدیثیں آتیں اور وہ اُن کی مخالفت کیا کرتے۔ (تاریخ خطیب ج ۱۳ صفحہ ۳۸۷)

یوسف بن اسباط سے ابوصالح الفراء نے بھی اسی قول کو نقل کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:-

> ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ نبی صلعم مجھے پاتے اور میں آپؐ کو پاتا (یعنی دونوں ایک زمانہ میں ہوتے) تو آپؐ میرے بہت سے اقوال کو اختیار فرما لیتے۔ دین اس

کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک رائے اور عمدہ رائے کا نام ہے۔
(تاریخ خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۹)

ہمارا خیال ہے کہ اس باب میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں۔ جو کچھ کہا گیا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ مرکزِ ملت (یعنی قرآنی مملکت کی صاحبِ اختیار انتظامی) نمائندگانِ امت کے مشورہ سے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جو فیصلے کرے وہ شریعتِ اسلامی کہلاتے ہیں اور یہ فیصلے زمانے کے حالات کے ساتھ ساتھ قابلِ تغیر و تبدل ہوتے ہیں۔

حدیث کے متعلق امام صاحبؒ کا یہی وہ مسلک تھا جس کی بنا پر آپ کو بعد میں منکرِ حدیث قرار دیا گیا اور ان کے خلاف طرح طرح کی طعن آمیز باتیں کی گئیں اور عجیب عجیب الزامات اور فتاویٰ سے انہیں نوازا گیا۔ مثلاً :-

امام ابوحنیفہؒ پر محدثین کا طعن و تشنیع

امام مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کا فتنہ اس امت کے لئے ابلیس کے فتنہ سے کم نہیں۔ دونوں باتوں میں ـــ یعنی عقیدۂ ارجاء میں بھی اور احادیث کو رد کرنے میں بھی۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ میں دجال کے فتنہ کے بعد اسلام میں کسی فتنہ کو ابوحنیفہؒ کے فتنہ سے بڑا نہیں دیکھتا۔ (خطیب ج ۱۳ ص ۳۹۶) سلیمان بن حسان حلبی کہتے ہیں کہ میں نے بے شمار مرتبہ امام اوزاعیؒ کو کہتے سنا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے اسلام کے ایک ایک دستہ کو گن گن کر توڑا ہے۔ ایسے

امام ابوحنیفہؒ اسلام کے ایک ایک دستہ کو گن گن کر توڑ رہے تھے

ہی جب امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا تو امام اوزاعیؒ نے کہا خدا کا شکر ہے۔ وہ اسلام کے ایک ایک دستہ کو توڑ رہا تھا۔ فزاری کہتے ہیں کہ میں نے سفیانؒ اور اوزاعیؒ، دونوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اسلام میں ابوحنیفہ سے زیادہ بدبخت ترین پیدا نہیں ہوا۔ امام شافعیؒ نے بدترینؓ کا لفظ کہا ہے۔ قیس بن الربیع سے ابوحنیفہؒ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ماضی (روایات و آثار) کا جاہل ترین اور مستقبل (استنباطِ احکام) کا عالم ترین شخص ہے۔ (ایضاً ج ۱۳ ص ۳۹۸)

امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت ہی حق ہے

عمرو بن قیس کا قول ہے کہ جو شخص حق کو معلوم کرنا چاہے اسے کوفہ کے ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے قول کو دیکھنا چاہیئے۔ اس کے بعد ان اقوال کے خلاف کرنا چاہیئے۔ عمار بن زریق کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرو، تم حق کو پالو گے۔ بشری کہتے ہیں کہ تم ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرو گے تو

ف معاذ اللہ! (طلوع اسلام)

حق کو پالوگے۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ جب تمہیں کسی بات میں شک ہو تو دیکھ لو کہ ابوحنیفہؒ نے کیا کہا ہے بس اس کی مخالفت کرو کہ حق ہوگا۔ یا یوں کہو کہ اس کی مخالفت ہی میں برکت ہے۔
(ایضاً ج ۱۳ ص۴۰۸)

مسجد میں امام ابوحنیفہؒ کا نام لینا جُرم تھا

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ میں اسود ابن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کسی مسئلہ کا تذکرہ آگیا۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ ابوحنیفہؒ ایسا کہتے ہیں تو اسود نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ تو مسجد میں ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کرتا ہے؟ اور مسجد میں ابوحنیفہؒ کا نام لے دینے کے جرم میں وہ مجھ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک پھر مجھ سے کلام نہیں کیا۔ (ایضاً ج ۱۳ ص۴۰۹)

سفیانؒ نے ہشام بن مردہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، یہ حدیث نقل کی کہ بنی اسرائیل کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا۔ حتیٰ کہ ان میں لونڈی بچوں کا غلبہ ہو گیا جنہوں نے دین میں رائے کو دخل دیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا۔ اس کے بعد سفیانؒ نے کہا کہ اسلام میں بھی لوگوں کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا حتیٰ کہ اُسے ابوحنیفہؒ نے کوفہ میں، بتی نے بصرہ میں، اور ربیعہ ابن عبدالرحمٰن نے مدینہ میں بدل ڈالا۔ ہم نے غور کیا تو ان سب کو ہم نے لونڈی بچے ہی پایا۔
(خطیب ج ۱۳ ص۳۹۴)

فقہ حنفی دجّالوں کا کلام ہے

حمدویہ بن مخلد کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ مدینی سے پوچھا گیا "کیا وجہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کی رائے سارے شہروں میں گھس گئی ہے مگر مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکی؟" محمد بن مسلمہ نے جواب دیا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کی ہر گلی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو مدینہ میں دجّال کو داخل ہونے سے روکے گا۔ اور یہ بتی چونکہ دجّالوں ہی کا کلام ہے اس لئے وہاں داخل نہیں ہو سکا۔
(ایضاً ج ۱۳ ص۳۹۶)

امام ابوحنیفہؒ حدیث میں یتیم اور گونگے تھے

ابن اسحٰق ترمذی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک نے کہا ابوحنیفہؒ حدیث میں بالکل یتیم تھے۔ سریج بن یونس نے ابوقطن سے نقل کیا ہے کہ اگرچہ ابوحنیفہؒ سے ہم نے حدیث بیان کی ہے مگر وہ حدیث میں گونگے تھے۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو اس پر متفق پایا ہے کہ وہ رائے تو رائے، ابوحنیفہؒ کی حدیث پر بھی اعتماد نہیں کرتے تھے۔ حجاج بن ارطاۃ کہتے ہیں کہ "ابوحنیفہؒ کون تھا؟ ابوحنیفہؒ کی بات کون قبول کرتا ہے؟ ابوحنیفہؒ تھا ہی کیا؟" علی ابن المدینی کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن سعید قطان کے سامنے ابوحنیفہ کا ذکر آگیا اور ان سے ابوحنیفہؒ کی حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو یحییٰ نے کہا۔ "وہ حدیث والے تھے ہی کب؟" محمد بن حماد مقری کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے ابوحنیفہؒ کے متعلق سوال کیا تو یحییٰ نے کہا۔ "ان کے پاس حدیثیں تھی ہی کتنی

کہ تم ان کے متعلق پوچھتے ہو؟ ابوبکر ابن شاذان کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوبکر ابن ابی داؤد نے کہا کہ: ابوحنیفہؒ نے کل ایک سو پچاس حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے بھی آدھی حدیثوں میں غلطی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نہ ثقہ تھے نہ مامون

مؤمل کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ کے سامنے ابوحنیفہؒ کا ذکر آیا۔ سفیانؒ ثوری اس وقت حطیم کعبہ میں تھے۔ یعنی طواف کر رہے تھے۔ (سفیانؒ) نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نہ ثقہ تھے نہ مامون تھے اور وہ اپنے ان الفاظ کو برابر دہراتے رہے تاآنکہ ان کا طواف ختم ہو گیا۔ (خطیب ج ۱۳ ص ۴۱۵)

مندرجہ بالا آراء کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کہ یہ کن لوگوں کی رائے ہیں اور کس کے متعلق ہیں۔ ان میں کا ہر شخص علم حدیث اور علم رجال کا مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان اساطین سنت کا یہ فیصلہ تو خود امام ابوحنیفہؒ کے متعلق تھا۔ اب دیکھئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے دونوں اولوالعزم شاگردانِ رشید، یعنی امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے متعلق یہ حضرات کیا رائے رکھتے ہیں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے اتنی بات ذہن نشین کر لیجئے کہ فقہ حنفی میں خود ابوحنیفہؒ کی کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔ ہم تک جو کچھ پہنچا ہے وہ ان ہی دو حضرات (صاحبین) کی وساطت سے پہنچا ہے۔

امام ابویوسفؒ کے متعلق ائمہ رجال کی رائے

عبدالرزاق بن عمر کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن المبارک کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر عبداللہ بن المبارک سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ عبداللہ نے اس کو فتویٰ دیا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے یہی مسئلہ ابویوسفؒ سے بھی پوچھا تھا مگر انہوں نے آپ کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ عبداللہ ابن المبارک نے کہا۔ "اگر تو نے ابویوسفؒ کے پیچھے کچھ نمازیں پڑھی ہوں جو تجھے یاد ہوں تو جا کر فوراً ان نمازوں کو دہرا لو۔

(خطیب ج ۱۴ ص ۲۵۷)

ابویوسفؒ جھوٹے اور فاسق تھے

عبدہ بن عبداللہ خراسانی کہتے ہیں کہ کسی نے عبداللہ ابن المبارکؒ سے پوچھا کہ ابویوسفؒ اور محمدؒ میں زیادہ سچا کون ہے؟ عبداللہ ابن المبارکؒ نے کہا یوں نہ کہو بلکہ یوں پوچھو کہ زیادہ جھوٹا کون کون ہے؟ اس آدمی نے کہا، اچھا یوں ہی بتائیے۔ عبداللہ نے کہا کہ ابویوسفؒ! (ایضاً)

عبداللہ ابن ادریس کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ ایک گمراہ[1] اور گمراہ کن شخصیت تھے اور ابویوسفؒ فاسقوں میں سے ایک فاسق تھے۔ (ایضاً)

---

[1] معاذ اللہ

امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ پر جھوٹ باندھے

محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ (صاحب الصحیح) فرماتے ہیں کہ ہم نے نعمان (امام ابو حنیفہؒ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تم لوگوں کو یعقوب (امام ابو یوسفؒ) پر تعجب کیوں نہیں آتا۔ اس نے مجھ پر اس قدر جھوٹ باندھ دیئے ہیں جو میں نے کبھی نہیں کہے۔

(ایضاً ج ۱۳ ص ۲۵۸)

ابو نعیم فضل بن دکین کہتے ہیں کہ میں نے خود ابو حنیفہؒ کو ابو یوسفؒ سے یہ کہتے سنا۔ "تمہارا ستیاناس ہو، ان کتابوں میں تم لوگ مجھ پر کتنا جھوٹ باندھ رہے ہو جو میں نے کبھی نہیں کہا۔

(ایضاً)

ابن ابی شیبہ اور ابن المغالبی یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ ابو یوسف قاضی کو حدیث کی کوئی پہچان نہیں تھی تاہم وہ ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج ۱۲ ص ۲۵۹)

احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ میں نے سب سے پہلے ابو یوسفؒ ہی سے حدیثیں لکھی ہیں مگر میں ان کی حدیثیں بیان نہیں کرتا۔ نیز فرمایا کہ اگرچہ ابو یوسفؒ سچے ہیں مگر ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے کسی سے بھی احادیث بیان نہیں کرنی چاہئیں۔

ابو الحسن (امام) دار قطنی سے ابو یوسفؒ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ محمد بن الحسن کی نسبت زیادہ قوی ہیں۔ مگر اندھوں میں کانے ہیں۔ امام محمد بن اسماعیلؒ بخاری کہتے ہیں کہ یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف قاضی کو محدثین نے ترک کر دیا ہے۔ (خطیب ج ۱۴ ص ۲۵۹-۲۶۰)

امام محمد بن الحسنؒ کے متعلق ائمہ رجال کی رائے

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ یعقوب ابو یوسفؒ تو حدیث کے ساتھ موصوف تھے مگر ابو حنیفہؒ اور محمد بن الحسنؒ دونوں احادیث نبویؐ کے مخالف تھے۔ ان دونوں کی رائے بڑی ہی خراب تھی۔ یعنی ابو حنیفہؒ اور محمد بن الحسنؒ کی۔ (خطیب ج ۲ ص ۱۷۹)

امام محمدؒ کذاب تھے

یحییٰ بن معین سے محمد بن الحسنؒ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ "محمد بن الحسنؒ کذاب ہے"۔ ایسے ہی ایک مرتبہ یوں کہا کہ، "ضعیف ہے"۔ کبھی فرمایا وہ تو کچھ بھی نہیں ہے، اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔

(ایضاً ج ۲ ص ۱۸۰)

امام ابو داؤد سجستانی کہتے ہیں کہ محمد بن الحسنؒ شیبانی کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ (ایضاً ج ۲ ص ۱۸۱)

امام ابو الحسن دار قطنی کہتے ہیں کہ محمد بن الحسن شیبانیؒ صاحب۔ ابو حنیفہؒ کو یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبلؒ نے کذاب کہا ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ بالکل ہی چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

(ایضاً ج ۲ ص ۱۸۱)

امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ پر جھوٹ باندھے

بشر بن الولید کہتے ہیں کہ ابو یوسفؒ نے کہا۔ "خدا اس کذاب، یعنی محمد بن الحسنؒ سے پوچھو کہ جو کچھ وہ مجھ سے نقل کرتا ہے وہ کبھی اس نے مجھ سے سنا بھی ہے؟ (ایضاً ج ۲ صفحہ ۱۸۱)

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میرے سامنے محمد بن الحسن سے پوچھا گیا کہ کیا ان کتابوں کو جنہیں تم نقل کرتے ہو تم نے ابو یوسفؒ سے سنا ہے؟ تو محمدؒ نے جواب دیا کہ نہیں خدا کی قسم میں نے ان کو ابو یوسفؒ سے نہیں سنا۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ میں ان کتابوں کو سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور میں نے تو ابو یوسفؒ سے صرف جامع صغیر سنی ہے۔ (ایضاً)

فقہ حنفی ابدالآباد تک کے لئے ناقابلِ تغیر نہیں

حدیث کے متعلق آپ نے امام اعظمؒ اور ان کے شاگردان رشید کا) مسلک دیکھ لیا۔ اب اس ضمن میں ایک اور بات سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا امام اعظمؒ کا یہ منشا تھا کہ وہ اپنی فقہ کو قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار دیں؟ ظاہر ہے کہ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ خود رسول اللہؐ کے فیصلے بھی قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار نہیں دیئے جا سکتے وہ کبھی خود اپنے فیصلوں کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ انہیں قیامت تک کے لئے غیر متبدل سمجھا جائے؟ اس باب میں بھی تاریخی شہادات موجود ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس بات کو بھی شدت سے رد کیا کہ ان کے اجتہادات کو ابدی حیثیت دے دی جائے۔ چنانچہ مخلد

فقہ حنفی کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی تصریحات

بن محمد کہتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ایک شام کا آدمی بھی ہوتا تھا۔ جب وہ شامی (فراغت کے بعد) وطن کو واپس جانے لگا تو امام ابو حنیفہؒ سے رخصت ہونے کے لئے آیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس سے پوچھا۔ "اے شامی! کیا تم اس کلام (فقہ) کو بھی اپنے ساتھ شام کی طرف لے جاؤ گے؟" شامی نے جواب دیا۔ "ہاں!" اس پر امام نے فرمایا۔ "خیال رکھنا تم بہت بڑے شر کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ (خطیب ج ۱۳ صفحہ ۴۲۴) مزاحم بن زفر کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ جو کچھ آپ فتوے دیتے ہیں یا اپنی کتابوں میں درج فرماتے ہیں کیا یہ سب حق ہے جس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا بخدا مجھے معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ جو کچھ امام ابو حنیفہؒ فیصلے فرماتے ہم ان کو لکھ لیا کرتے تھے۔ امام زفرؒ کہتے ہیں کہ ایک دن امام ابو حنیفہؒ نے ابو یوسفؒ سے فرمایا۔ یعقوب! تیرا ناس ہو، جو کچھ تو مجھ سے سنتا ہے

اسے سب کا سب نہ لکھ لیا کرو۔ آج میری کچھ رائے ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو ابو یوسفؒ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو، کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں (اپنے اجتہاد میں) خطا کار ہوں یا مصیب (ایضاً) سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں اکثر امام ابوحنیفہؒ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنتا تھا۔ (فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ)

یعنی اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو بشارت دے دو جو باتوں کو سنتے ہیں، اور پھر ان میں جو اچھی بات ہوتی ہے اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ (ایضاً ج ۱۴ صفحہ ۳۵۲) حسن بن زیاد لولوی کہتے ہیں کہ "ہمارا یہ قول (فقہ) ایک رائے ہے جو بہتر سے بہتر ہم قائم کرسکے ہیں۔ جو ہمارے قول سے بہتر رائے لا سکے تو وہی صحت سے زیادہ قریب ہوگی۔ (ایضاً)

ظاہر ہے کہ امام موصوف کی ان تصریحات کے بعد، کہ وہ بھی اپنی فقہ کو شک و شبہ سے بالا اور غلطی و خطا سے مبرا نہیں سمجھتے تھے۔ ہمارے لئے کہاں تک یہ مناسب ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی آراء کو وحیٔ الٰہی کا مقام دے دیں، اور خطا و غلطی سے بری قرار دے کر قیامت تک کے لئے اُمت کا دستور العمل بنا دیں۔

تصریحات بالا کو ایک مرتبہ پھر سامنے لائیے۔ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ تھا:۔

(۱) دین میں غیر متبدل صرف قرآن کے احکام اور اصول ہیں اور یہی کتاب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔

(۲) روایات تاریخی حیثیت کی حامل ہیں جن سے اجتہاد میں مدد تو لی جا سکتی ہے مگر مستقل دین کی حیثیت سے ان کو ناقابلِ تبدیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۳) قرآن کے اصولوں کی روشنی میں، اپنے اجتہاد سے فقہ مرتب کرنی چاہیئے[1] لیکن یہ اجتہادات[2] بھی قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

اس کے بعد آپ یہ دیکھئے کہ امام صاحب کے اس مسلک کے متعلق کیا کہا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ہم صرف امام احمد بن حنبلؒ کے ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں۔

ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ نے علم میں ایسی بہت سی چیزیں داخل کر دیں۔

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

---

[1] اسلامی مملکت کو ہے۔ افراد کو نہیں۔
[2] ایسا کرنے کا حق بھی صرف اسلامی مملکت کو ہے، افراد کو نہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں۔ (طلوع اسلام)

طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۷۶ء

حقیقتیں اور افسانے

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

وہ تو اک مردِ خود آگاہ تھا کہ اپنے متعلق بھی کہہ دیا کہ،

اِک عجب مجموعۂ اضداد ہے اقبال تو!

یہاں، بے خبری کا یہ عالم ہے کہ عمر بھر تضادات کو اپنانے کے باوجود ثنویت اختیار کئے رہنے کے باوجود، خود کو موحد اور اپنی شخصیت کو اکائی سمجھتے چلے آ رہے ہیں۔ اور جو بات ایک فرد کے متعلق کہی جا سکتی ہے وہی سوسائٹی کے متعلق بھی کہ وہ افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔

یہ نظارہ کچھ ایسا انہونا نہیں۔ آپ نے بھی بیشتر دیکھا ہوگا، نظر میری سے بھی اس سے پہلے بارہا گزرا تھا لیکن کچھ اس پر شاید توجہ نہ تھی، یا اسے یونہی اہمیت نہ دی۔ پچھلے دنوں دیکھا تو کچھ غور کیا، اور یہ بات عجیب سی محسوس ہوئی۔

ایک عزیز کے ہاں جانا ہوا۔ گھر میں کچھ ہنگامہ تھا، دیگیں کھنک رہی تھیں۔ مہمانوں کی چہل پہل تھی۔ گہما گہمی دیکھ کر میں ٹھٹھکا۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ بچے کی کوئی منت مانی ہوئی تھی اُسے اتارنے کا انتظام ہو رہا تھا۔ ننھے میاں تعویذ گلے میں لٹکائے گود میں ہمک رہے تھے۔

میاں بیوی دونوں سائنس کے مضامین کے فارغ التحصیل، بلکہ معلّم۔ میں نے ان سے پوچھا — بھئی! آپ لوگ سائنس کے طالب علم ہیں، کیا آپ علم کی رُو سے، سائنسی طریقے سے، اس پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟

"اس بحث کو نہ ہی چھیڑو تو اچھا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "یہ عقیدے کی بات ہے، مجھے معلوم ہے، تم ان عقائد سے منکر ہو۔"

نہیں بھیا! یہ بات نہیں۔ مجھے سمجھا دو۔ میری سمجھ میں بات آ گئی تو مان لوں گا —— آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں —— لیکن یہ ضرور ہے کہ بات میری تمہاری سطح پر ہو، ٹھوس ہو، ثبوت کے ساتھ، یونہی ہوا میں تیر نہ چھوڑنا —— یوں تو دیہات میں آج بھی ہاری پہ چڑھنے والے بخار کا علاج تعویذات سے ہوتا ہے اور جب تلی بڑھ جاتی ہے تو اسے تاپ تلی کہہ کر ہسپتال بھیج دیا جاتا ہے، کن پیڑے، سرخ باد، زہرباد کا دم بھی ہوتا ہے!

"تو کئی بیڑے ٹھیک بھی تو ہو جاتے ہیں کئی بار دم سے، میں خود اس بات کا شاہد ہوں!"
وہ تو میں بھی ہوں - میں نے کہا - مگر میں نے دم کے بغیر بھی یہ ٹھیک ہوتے دیکھے ہیں ——
(SELF LIMITING DISEASE) ایک معین مدت تک چلنے والی بیماری ہے اور اگر اس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو تو اپنی میعاد کے بعد خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں' —— اس لئے میری شہادت مجھے شک و شبہ میں مبتلا نہیں کر سکی۔ واقعات کے اسباب پر غور کرنے، بیماریوں کے متعلق قوانین پر غور کرنے سے جیسے بہت سے بھید کھل جاتے ہیں، اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق بھی ہوتا ہے، اسی لئے تو خدا نے کائنات کے وسیع و عریض سلسلے میں بکھرے ہوئے مظاہر فطرت پر غور کرنے کا حکم دیا ہے کہ یوں کائنات کے بھید کھلتے ہیں، آیاتِ خداوندی کا ظہور ہوتا ہے۔

انہوں نے بزعم خود مجھے ضدی اور میں نے انہیں معذور و مجبور سمجھ کر بات وہیں چھوڑ دی اور گفتگو دوسرے موضوعات کی طرف چلی گئی۔

بات معاشیات کی طرف گئی تو یہی دوست بڑے سائنٹفک سوشلزم کے ماننے والے نکلے اور اس کے جواز میں، اس کے حق میں، بڑے بڑے دلائل لائے، بڑی بڑی دقیق قسم کی اصطلاحات (TERMS) ان کی گفتگو میں استعمال ہو رہی تھیں۔ کہیں تاریخی وجوب تھا، کہیں جدلی مادیت تھی، استحصال کی بات تھی، بورژوازی کا تذکرہ تھا۔ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی ڈکٹیٹر شپ میں انسانیت کی نجات کا ذکر تھا، اس فلسفے کے قابل اور قابل عمل ہونے کے مظاہرے مختلف سوشلسٹ ممالک میں دیکھنے پر اصرار تھا۔

میں نے کہا۔ بھائی! اس فلسفے کی رو سے تو مذہب عوام کی افیون ہے۔ خدا کا وجود ہی نہیں اور جب خدا کا وجود نہیں تو وحی اور رسالت کا ذکر ہی افسانہ طرازی ہے۔ دنیا بس دنیا ہے۔ آخرت کا سوال ہی بیکار ہے ——!

تو اس کا جواب پھر وہی ثنویت کہ یہ تو دنیاوی معاملات ہیں۔ معاشی مسائل کا حل ہمیں یہاں سے ملتا ہے۔ اس کو لے لینے میں کیا حرج ہے۔ اسے لے لو۔ اپنا لو۔ باقی اپنا عقیدہ اپنے ساتھ، خدا کو مانو، رسولؐ کو مانو، نماز روزہ حج اسی طرح رکھو۔ تمہیں کون روکتا ہے!

جب ایک نظام سے دوسرے نظام نے تاریخی جبریت کے تحت آنا ہی آنا ہے تو تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری عبادت، تمہاری ریاضت کہاں لے جائے گی، کیا فائدہ پہنچائے گی۔ جب سب ترقی مادی ذرائع ہی کی مرہونِ ہے اور اسی پر منحصر ہے تو ان کا فائدہ؟ اور اس سارے مادی فلسفے میں اگلی دنیا اور آخرت کہاں (FIT IN) ہوں گے؟

میں نے کہا۔ جب زندگی یہاں سے وہاں تک ایک ہی جیسے رواں ہے تو (MEANS) ذرائع اور نتائج (ENDS) دونوں کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ نتائج ذرائع کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتے، اور جب زندگی ایک ہے، انسان ایک ہے تو دنیا کے معاملات ایک طرح اور اس کے

ساتھ ساتھ اپنی عبادات، عقیدے جُبل کے قول — ایک شعبہ میں ایک طرح کا قانون، اور دوسرے میں دوسری طرح کا قانون۔ کونسا علم اور فلسفہ ہے جس کی رو سے یہ متضاد عناصر یکجا ہو سکیں گے۔

کہنے لگے تم پھر اسی بات کو ذہن میں لے آتے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا۔ میں نے کہا۔ میری بھی مجبوری ہے، میں تو اس کے احاطے سے باہر نکل ہی نہیں سکتا ؎

کیا ہے سیر گہہِ زندگی میں رُخ جس سمت تِرے خیال سے ٹکرا کے رہ گیا ہوں میں

میرے یہ دوست مسلمان ہیں، سید کہلاتے ہیں اور کمیونسٹ ہیں!: ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اپنی کمیونزم پر بھی انہیں اصرار ہے کہ ذہن اس کو مانتا ہے۔ مسلمان بھی ہیں۔ کافر نتوان شد، ناچار مسلمان شو۔ اور سید تو وہ بہرحال ہیں ہی کہ جائے عزت ہے۔ اس پریشان فطری سے شخصیت جو دو لخت ہو رہی ہے اس کی طرف ان کا دھیان نہیں ہے شاید۔ مگر "دو قلبی شخصیات" (DUAL PERSONALITIES) عام ہی تو ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے لوگ چہرے پہ ماسک چڑھائے پھر رہے ہیں۔ ابھی ایک، ابھی دوسرا۔ اصل کیا ہے، کون جانے؟ یہی کہنا پڑتا ہے۔

یہ خوب کیا ہے، یہ زشت کیا ہے، جہاں کی اصل سرشت کیا ہے
بڑا مزہ ہو تمام چہرے — اگر کوئی بے نقاب کر دے

وہ ہنگامہ آرائی کے، جلسے جلوسوں کے، توڑ پھوڑ کے دن تھے۔ فضا میں ڈکٹیٹر شپ مردہ باد اور جمہوریت زندہ باد کے نعرے ہر طرف گونج رہے تھے۔ ہر محفل میں، ہر مجلس میں اسی بات کا چرچا تھا۔ ہر کوئی کسی نہ کسی صورت اس سے متاثر تھا۔ بات کا رخ بدلا تو سیاست زیرِ بحث آ گئی۔

ایک صاحب کہہ رہے تھے: ایک شخص کے ہاتھ میں پوری قوم کی تقدیر کیسے دی جا سکتی ہے، ایک شخص عقلِ کل کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا وہ شخص منزہ من الخطاء ہے؟ وہ کوئی پیغمبر ہے؟ وہ تو ولی بھی نہیں — اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب ڈکٹیٹری کا زمانہ لد گیا۔ شخصی حکومتیں، بادشاہتیں خاندانی، وراثتی شہنشاہیت کا دور اب نہیں رہا۔ اب جمہوریت کا دور ہے۔ ہمارے ملک میں بھی جمہوریت کی بحالی لازمی ہے — ورنہ ملک تباہ ہو جائے گا — جمہوریت زندہ باد! جمہوریت زندہ باد، آمریت اب چند دن کی مہمان ہے۔

سبھی ایک سی کہے جا رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ یہ بات ذرا مجھے ٹھیک سے سمجھا دیجئے۔ ذرا آمریت، جمہوریت کی وضاحت تو ہو جائے!

کیسی وضاحت! یہ بھی بھلا کچھ سمجھنے سمجھانے والی بات ہے؟ ایک شخص کا اقتدار آپ کیسے برداشت

کر سکتے ہیں، حکومت جمہور کی مرضی سے ہونی چاہیئے۔ جمہور کے لئے ہونی چاہیئے۔ جمہور کے مشورے سے ہونی چاہیئے۔ (OF THE PEOPLE, FOR THE PEOPLE, BY THE PEOPLE)

دوسرے نے کہا۔ "صلاح مشورے سے، شُوْرٰی بَیْنَھُمْ! اسلام بڑا جمہوری مذہب ہے۔ جمہوریت عین اسلام ہے۔ جمہوریت ہی اسلامی طرزِ حکومت ہے ——!"

سب ہی طرف سے ایک سی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔

میں نے کہا، مجھے اتفاق ہے!"

"کیسے اتفاق نہ ہو" سب نے کہا۔ "آج کے دور میں کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے؟" "دور کی بات جانے دو" میں نے کہا۔ "میں تو چودہ سو سال پہلے کے دین کو مانتا ہوں۔ مجھے تو بس —— شُوْرٰی بَیْنَھُمْ سے اتفاق ہے —— اس کے برعکس آپ ایک شخص کا اقتدار ماننے والے ہیں"

ایک شخص کا اقتدار ماننے والے کا نام ہی تو جمہوریت ہے!

سب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا —— "بھئی یہ لطیفہ بھی خوب رہا۔ ایک شخص کا اقتدار ماننے کا نام جمہوریت ہے۔ جمہوریت کی یہ تعریف بھی آج تک کسی نے نہ کی تھی!"

جب قہقہوں کا زور کم ہوا تو میں نے کہا —— "یارو میں سیاسیات کا طالب علم نہیں، سائنس اور طب کا طالب علم ہوں، آپ سے بات سمجھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ میری بات پر کچھ توجہ دیں تو کہوں .....!

وہ خاموش ہوئے تو میں نے پوچھا۔ "جمہوریت میں کیا ہوتا ہے!"

"کثرت آراء سے فیصلے ہوتے ہیں، جدھر زیادہ ووٹ ہوں وہ فیصلہ مانا جاتا ہے" ——!

"کثرتِ آراء کا معیار؟" میں نے سوال اٹھایا۔ مجھے معلوم تھا، بہت سے گھسے پٹے جملے آئیں گے، میں نے خود ہی کہا کہ میں —— انہ مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید —— نہیں کہوں گا —— گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو —— بھی نہیں کہوں گا —— جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے —— کا حوالہ بھی نہیں دوں گا۔ میں تو صرف کثرت اور قلت کی وضاحت چاہوں گا۔!

"کثرت کثرت ہے اور قلت قلت، یہ بھی کوئی سمجھنے اور سمجھانے کی بات ہے"

"کیوں نہیں! ایک مسئلے پر آرا طلب کی جاتی ہیں، دونوں طرف پچاس پچاس ہوں تو کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جونہی ایک طرف اکاون اکٹھے ہوئے، جمہوری فیصلہ ہو گیا —— یعنی فیصلہ اس ایک شخص ہی کے ہاتھ میں ہوا جو اکاونواں ہے۔ اسی لئے تو میں کہہ رہا تھا کہ جمہوریت ایک شخص کی حکومت کا نام ہے، اور اس ایک شخص کو جو خدا معلوم دھونس دھاندلی، خوشامد، رشوت کس کس حربے کو استعمال کر کے منتخب ہو پایا تھا۔ اُسے پچاس سے اِس طرف یا اُس طرف شامل ہونے کے لئے دھونس، دھاندلی، رشوت، سفارش، خوشامد، کوئی بھی چیز آمادہ کر سکتی ہے!

باقی رہا مشورہ، تو سبھی ڈکٹیٹروں کے مشیر ہوتے ہیں۔ اگر اکبر کے نورتن تھے تو ہٹلر کے ساتھ بھی گوئرنگ، گوئبلز، ربن ٹراپ وغیرہ نورتن مشورے کے لئے ساتھ تھے۔ اسٹالن کے ساتھ بھی مولوٹوف، اور بیریا وغیرہ تھے۔

——اور یہ جو ایک بار منتخب ہو کر اسمبلیوں میں چلے جاتے ہیں، یہ تو بس پھر پارٹی ڈسپلن کی رسّی سے بندھے ہوتے ہیں۔ جب یہ رسی تڑا کر پارٹی بدل لیتے ہیں تو کیا اس کے لئے اپنے ووٹروں سے صلاح مشورہ کرتے ہیں، ان سے استصواب مانگتے ہیں؟

پھر یہ حکمران، یہ فوج ظفر موج، مراعات یافتہ طبقہ بن کر آج کی جمہوریت میں جو دھاندلی مچاتے ہیں، افسروں پر، خود حکومت پر دباؤ ڈال کر جو ناجائز سہولتیں حاصل کرتے ہیں، اس سے جمہوریت میں کوئی مغز ہے!

——اور پھر یہ جمہوریت بھی لادینی طرزِ حکومت ہے، مغرب کے مفکروں کی سوچ کا نتیجہ، جن کے سامنے دین کی روشنی تھی ہی نہیں۔ جو دین کے نام ہی سے ناآشنا تھے۔

یہ سارے طرزِ حکومت اس سوچ پر مبنی ہیں کہ انسانوں کو دوسرے انسانوں پر حکومت کا حق ہے۔

"تو تم ان کو شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہو، انار کی چاہتے ہو"۔ انہوں نے کہا۔

جی نہیں! میں کسی شتر کو بے مہار نہیں چھوڑنا چاہتا۔ مہار مہار میں البتہ فرق ہے۔ میں یہ مہار دین کی مہار چاہتا ہوں۔ پابندی ہو مگر خدا کے بنائے ہوئے دین کی۔ خدا تو کہتا ہے کہ کسی انسان کو حقِ حکومت ہے ہی نہیں۔ قائدِ اعظمؒ کے الفاظ ہیں، ہماری آزادی اور پابندی کی حدود قرآن کریم میں دیئے گئے اصول و قوانین کرتے ہیں"۔ مشکل یہ ہے کہ ہم ہر مرحلے پر راہنمائی کے لئے مغرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور پھر ان کی ہر بات کو درست اور حرفِ آخر سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ تک نہیں دیکھتے کہ وہ ممالک خود ان نظام ہائے زندگی سے کس قدر نالاں ہیں۔

——اور یہ ایک طرح سے ہماری مجبوری ہے، ہماری ٹریننگ ہی ان خطوط پر ہوئی ہے۔ ہماری ساری تعلیم، اس کی سوچ اور بنیاد مغربی نظام پر مبنی ہے۔ ہمارے زیادہ بہتر اور زیادہ ماڈرن سکول کالج کچھ زیادہ ہی مغرب زدہ ہیں اور انہی کے فارغ التحصیل لوگ ہمارے ہاں زیادہ معتبر اور زیادہ با اختیار اور سیاست اور وفاتر کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ہر چیز کی معراج مغرب میں ہی ہے۔ نظامہائے زندگی میں بھی ان کی نظر مغرب ہی کی طرف اٹھتی ہے۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے"۔ میرے دوست نے کہا۔ "اب آئے نہ راہ پر"۔ ہماری ساری تعلیم، ساری سوچ مغرب سے مستعار ہے۔ مغرب خود اپنے نظام ہائے زندگی سے نالاں ہے۔ اب وہ لوگ نئی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ مشرق کی طرف بھی ان کی نگاہیں اٹھ رہی ہیں، کیوں نہ ہم بھی اپنے بزرگوں کے خیالات میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں؟ کیوں نہ ان کی زندگیوں پر غور کریں!

"یہ دیکھو!"..... ایک اور صاحب نے اخبار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ فلاں وزیر نے اپنی تقریر

میں فرمایا۔ "ہمیں ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے جنہوں نے دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں ——"

اور اخبار کے صفحات پر کئی تصویریں تھیں۔ مزار کو غسل دیا جا رہا تھا۔ چادریں چڑھائی جا رہی تھیں۔ سر پر سبز کپڑا لپٹوایا جا رہا تھا۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے۔!

دیکھو! یہ سب لوگ یونہی نہیں! ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں —— ولایت اور امریکہ پلٹ بھی ہیں۔ کیا یہ مشرق کی طرف رُخ کرنا نہیں؟ —— تم بھی اِدھر آ جاؤ ——!

"مجھے کب انکار ہے" میں نے کہا۔ "میں تو اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ حکمت کی بات جہاں کہیں ہو مومن کی میراث ہے —— مجھے ان کی زندگیوں کی بابت کچھ بتاؤ۔ ان کے نقوش پا ہی وہ راہ بتا دیں گے جو منزل کی طرف جاتی ہے۔

کچھ کتابیں انہوں نے میرے سامنے کر دیں۔ ایک ایک کتاب میں بے حساب بزرگوں کی داستانیں تھیں، کشف المحجوب (صفحہ ۲۴۵) میں ایک بزرگ کا ذکر ہے کہ اپنے مرید سے کہا کہ آج میں تمہیں ایک جگہ لے جاؤں گا۔ میں نے کہا جو حکم ہو تعمیل کے لئے تیار ہوں —— ابھی کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک بہت دشوار گذار جنگل دیکھا جس میں ایک سبز درخت کے نیچے سنہری تخت بچھا ہوا تھا اور اس کے نیچے پانی کا چشمہ جاری تھا۔ اور اس تخت پر ایک شخص عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا، آپ اس کے پاس گئے تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کو اس تخت پر بٹھا دیا۔ کچھ وقت گذر گیا تو آسمان سے کھانے کی نہایت عمدہ چیزیں نازل ہوئیں اور ہم نے انہیں سیر ہو کر کھایا —— جب ہم واپس آئے تو میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! وہ کونسی جگہ تھی اور وہ کون شخص تھا؟ آپ نے فرمایا وہ مقام بنی اسرائیل کا جنگل تھا اور وہ شخص قطب ابدال علیہ تھا۔

میں نے پوچھا اے شیخ! ہم اتنے سے وقت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کیونکر پہنچ گئے؟ آپ نے جواب دیا۔ تمہیں پہنچنے سے کام تھا نہ کہ پوچھنے اور اس کی کیفیت معلوم کرنے سے مطلب؟

یہ تو جنگل کی بات تھی۔ اب دریا کی سنئے —— حضرت ذوالنون مصری سے روایت کرتے ہیں۔ میں ایک روز مصر سے جدہ جانے کے ارادہ سے کشتی میں سوار ہوا۔ اس کشتی میں ایک گدڑی پوش جوان بھی تھا۔ اپنا تمام وقت عبادتِ الٰہی میں گزارتا تھا۔ اتفاق سے کشتی میں کسی سوداگر کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا۔ اس سوداگر نے اسی درویش پر شک کیا۔ لوگوں نے پوچھ گچھ کی، —— —— اس نے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔ آخر لوگوں نے اس پر تشدد کا ارادہ کیا، لیکن میں نے اسے علیحدہ کر کے بڑی نرمی سے پوچھا کہ یہ لوگ تجھ پر موتی چرانے کا الزام لگاتے ہیں اور اب جبر و تشدد پر آمادہ ہیں —— یہ سُن کر اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور کچھ کہا —— میں نے دیکھا کہ اسی وقت بہت سی مچھلیاں پانی کی سطح سے اُبھر آئیں جن میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک بیش قیمت موتی تھا۔ چنانچہ اس درویش نے ایک موتی مچھلی کے منہ سے لے کر الزام لگانے والے سوداگر

کو دیا اور خود کشتی سے اُتر کر پانی کی سطح پر قدم رکھا اور چلتے چلتے دریا عبور کر گیا۔

حضرت جنیدؒ کے ایک صوفی دوست حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بے نظیر ولی تھے۔ اس وقت کے تمام مشائخ آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ (کشف المحجوب صفحہ ۲۱۶) دشمنوں نے آپ کو زک پہنچانے اور بہتان تراشنے کے طریقے وضع کرنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ایک عورت کو حضرت سمنونؒ کے پاس بھیجا۔ جب اس کی نظر حضرت سمنون پر پڑی اور اس نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کیا تو آپ نے اس سے انکار کیا۔۔۔ تب وہ عورت حضرت جنیدؒ کے پاس گئی اور کہا۔ آپ حضرت سمنونؒ سے کہیں۔ مگر انہوں نے اسے جھڑک دیا۔ تب وہ عورت غلام الخلیل کے پاس گئی' اور جیسے عورتیں تہمت لگایا کرتی ہیں ایک تہمت لگا دی۔ غلام الخلیل نے تہمت اس طرح سنی جیسے دشمن سنا کرتے ہیں۔

خلیفۂ وقت کو آپ کے خلاف بھڑکایا، یہاں تک کہ اس نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب جلاّد نے قتل کرنے کے لئے خلیفہ سے آخری اجازت طلب کی تو خلیفہ کی زبان گنگ ہو گئی۔ جب وہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ تمہارے ملک کا زوال سمنون کی جان کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسرے روز اس نے معافی مانگی اور عزت سے آپ کو رخصت کیا۔

شاہ شجاع چالیس سال تک نہ سوئے اور جب سوئے تو اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ کے بارے میں لکھا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ حالت ہو گئی کہ توحیدِ الٰہی کے عشق میں اپنے وجود کے احساس و شعور سے بھی عاری ہو گئے۔ لوگ دیوانہ سمجھنے لگے۔ ایک مرتبہ بچوں نے اتنے پتھر مارے کہ لہو میں شرابور ہو گئے۔ لوگ ڈر کے مارے دور کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کو قریب بلایا اور کہا۔ میرے پاس آؤ اور سنو۔ لوگوں نے ان کے کانوں اور سر سے بہتے ہوئے خون کے قریب اپنے کان کئے تو لہو کی ہر بوند سے اللہ اللہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

ایک نوجوان درویش سے ان کی عشقِ الٰہی کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ وہ ان کی نگاہ کی تاب نہ لا سکا اور اسی وقت انتقال کر گیا۔ لواحقین نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ جب انہیں خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو دورانِ گفتگو خلیفہ کی حالت غیر ہونے لگی۔۔۔ اس نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اگر شبلی تم سب سے مخاطب ہوں تو تمہارا انجام بھی اس نوجوان درویش کی طرح ہو گا۔

کتاب تذکرہ غوث الاعظم ترجمہ بہجۃ الاسرار میں بہت سے بزرگوں کی کرامات لکھی ہیں۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ ان میں مردہ کو زندہ کرنا، پتھروں میں سے چشمہ اور انار کا درخت نکالنا، ٹوٹے ہوئے لولے کا درست اور پانی سے بھرا ہوا ہو جانا۔ ایک ہی درخت سے سیب' انار اور انگور لینا، کھجور کا بولنا، سیب کے رونے کی آواز، اور اسی قسم کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ صرف دو مختصراً سناؤں گا۔

ایک دن جنگل میں ایک شیر پر گزرے۔ جس نے ایک مرد کو پھاڑا تھا اور اس کے بازو کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ آپ شیر کی طرف آئے اور اس کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا۔ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے

پڑوسیوں کے درپے نہ ہوا کرو۔ وہ شیر عاجزی کرنے لگا اور مرد کو چھوڑ دیا۔ شیخ نے اس سے کہا خدا کے حکم سے مر جا، تو شیر مردہ ہو کر گر پڑا۔ شیخ نے جو مرد کا بازو الگ ہو گیا تھا اس کو لے جا کر اس کی جگہ پہ رکھ دیا اور کہا یا حیّ و یا قیوم ذوالجلال و الاکرام، اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو باندھ دیا۔ پھر اس کا بازو تندرست ہو گیا۔ گویا کہ اس کو کوئی تکلیف ہی نہ پہنچی تھی۔ اس نے اسی ہاتھ سے شیر کی کھال اتاری۔

شیخ عمر بن عثمان مرزوق، ایک دفعہ ایک رات تہجد پڑھ رہے تھے کہ ازل کی جانب سے کوئی آیا۔ انوار کی تجلی کمال جلال سے ظاہر ہوئی۔ تب آپ اس جگہ کھڑے رہے۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائے ہوئے، سات سال تک نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے، نہ دیکھتے تھے!

جب مجھے میرے دوست نے تذکار سے کچھ گھبرایا ہوا دیکھا تو کہا۔ بھئی! تم تو بس کرامات ہی کرامات کے واقعات ہی میں کھو گئے، کچھ اور بھی تو ان میں دیکھو۔

مجھے تو زور انہیں پر نظر آتا ہے۔ باقی رہی ان کی تعلیم۔ سو وہ بھی سن لو۔ الازہر یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر علی حسن القادر نے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں تحقیقاتی مواد پیش کیا ہے۔ اس کی رو سے ان کی تعلیمات صرف خاص لوگوں کے لئے ہیں اور وہ خاص لوگ جو توحید کے مسافر ہیں اور توحید کے مسافر کے دینی جذبے کا نقطۂ آغاز اسی عظیم فاصلے کا احساس ہے جو انسان اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہی تصوف کی ابتدا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ "توحید کی خالص حالت کی نوعیت یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے احساس سے بھی یکسر عاری ہو اور ایک خیالی وجود کی صورت میں اللہ کے سامنے حاضر ہو۔ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہ ہو، پھر جس جس طرح اس ذاتِ مطلق کی قدرت کاملہ طے کرتی ہے، اس کے مطابق اس خیالی وجود پہ مختلف صورتوں میں اثر انداز ہوتی ہے —— اسے توحید ذاتِ حق کے بحرِ بیکراں میں پوری طرح غرق کر دیا جاتا ہے ——!

اور صوفی، کامل لطافت کی حالت میں اپنی ذاتی صفات گم کر دیتا ہے اور اس گم شدگیٔ صفات کے باعث وہ وجودِ خداوندی میں پوری طرح مدغم ہو جاتا ہے اور یوں اپنے آپ سے بالکل گم ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ سے گم ہوتا ہے تو مکمل طور پہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتا ہے اور غائب بھی۔ وہ اس جگہ ہوتا ہے جہاں وہ پہلے نہیں تھا اور اس جگہ موجود نہیں جہاں وہ پہلے تھا۔ پھر جب اس کا وجود نہیں رہتا تو وہ وہاں موجود ہوتا ہے جہاں ابتدائے آفرینش سے پہلے تھا، یوں وہ اپنے آپ میں آ جاتا ہے جبکہ اس کے بعد وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ اس مقام پر وہ اپنے آپ میں بھی موجود ہوتا ہے اور ذاتِ خداوندی کے اندر بھی حالانکہ اس سے پہلے وہ صرف ذاتِ خداوندی میں موجود تھا اپنے آپ میں نہیں ——

یہ تو سب ویدانت ہے۔ وہی فلسفہ جو ہندو مت میں ہے جس میں خدا کو پانے کے لئے اپنے آپ کو فنا کرنا ہوتا ہے —— اور آپ کہتے ہیں اسلام بڑا عملی مذہب ہے۔ یہ ایک دین ہے، طرزِ زندگی ہے۔ طرزِ معاشرت،

طرزِ حکومت ہے، استخلاف فی الارض مومن کا حق ہے، مومن کا انعام ہے۔ آپ کی بنائی ہوئی راہ پر چل کر ہم اقوامِ عالم میں وہ مقام کیسے حاصل کر سکتے ہیں جو قرآنِ پاک میں مومن کا بتایا گیا ہے کہ:-

تم ـــ یہاں مخاطب ایک شخص نہیں، پوری اُمت ہے ـــ تم امتِ وسطیٰ ہو، جو اقوامِ عالم کی کارکردگی کی نگران ہے۔

مومن کی صفت تو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ہے۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے برنتابد غیرتِ او ہمسرے

ہم اس طور پر کیسے اس فساد مچھری دنیا کو امن و سلامتی (اسلام) کی طرف لا سکتے ہیں۔ اگر ہمارا مقام بطور ایک معاشرے، بطور ایک حکومت کے، ان حکومتوں سے بلند تر نہ ہوگا۔

اگر ایسی مافوق الفطرت باتوں سے دوسروں کو مرعوب کرنا ہی مذہب کی تعلیمات ہوتیں تو پیغمبر کیوں تکلیفیں اٹھاتے، پتھر کیوں کھاتے۔ اگر ہاتھ کے اشاروں ہی سے سب کچھ کرنا مقصود ہوتا تو میدانِ جنگ میں تیروں اور تلواروں سے لیس ہو کر جانے کی کیا ضرورت تھی، دندانِ مبارک جنگ ہی میں تو شہید ہو گئے تھے۔ اور یہ کیوں ارشاد ہوا کہ تمہاری سرحدوں پر بندھے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپ ایسی ہو کہ تمہارے دشمنوں کے دل دہل جائیں۔ جہاں قرآن اتارنے کا ذکر ہوا وہاں فولاد کے اتارے جانے کا بھی ذکر ہے کہ:-

ایں دو قوت حافظِ یک دیگراند

مومن، مظاہرِ قدرت پر غور کرتا ہے۔ ان کے اصول معلوم کرتا ہے اور یوں تسخیرِ کائنات کرتا ہے، اور کائناتی قوتوں کو تسخیر کر کے جو مادی فائدے حاصل کرتا ہے وہ بہبودِ عامہ کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر عالمگیر انسانی برادری کے مفادات ہوتے ہیں، کسی خاص خطے یا قوم کے نہیں۔

آج کیفیت یہ ہے بقول علامہ اقبالؒ:-

مغرب زتو بیگانہ مشرق ہمہ افسانہ

نہ مغرب کا فلسفہ ہمارا علاج ہے اور نہ مشرق کی افسانوی دنیا ہماری پناہ گاہ۔ دنیا میں اگر اپنا مقام حاصل کرنا ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

اور اس کی بنائی ہوئی راہ پر چل کر وہ معاشرہ، وہ نظام قائم کرنا ہوگا کہ دنیا اپنے رب کے نور سے جگمگا اُٹھے۔

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر!

والسلام

طلوعِ اِسلام کنونشن ۱۹۷۶ء

طلوعِ اسلام ، قرآن

اور

اثری انکشافات

(ARCHAEOLOGICAL DISCOVERIES)

حسن عباس رضوی

اے انفس و آفاق میں پیدا تیرے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات

صاحبِ صدر! معزز حاضرین و حاضرات! سلام و رحمت

طلوعِ اسلام، جیساکہ آپ سب جانتے ہیں، نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے اور نہ ہی کوئی مذہبی فرقہ کیونکہ پارٹی بازی اور فرقہ بندی قرآن کی رُو سے شرکِ عظیم ہے۔ یہ خالصتاً ایک فکری تحریک ہے جس کی فکر کی اساس خدا کی عظیم کتاب الفرآن ہے۔ اس فکر کو عام کرنے میں جو کردار طلوعِ اسلام نے ادا کیا ہے اور جن خطوط پر اس کو آگے بڑھایا ہے اس کی مثال عصرِ حاضر کی کوئی تنظیم پیش نہیں کر سکتی۔ طلوعِ اسلام کی " DYNAMIC " مقبولیت دیکھ کر مذہبی پیشوائیت تلملا اٹھی، اور جب اس نے دیکھا کہ طلوعِ اسلام کی فکرِ خالص کی تاب نہ لا کر اُس کے مینارِ بابل کی بنیادیں ہلنے لگی ہیں تو اس نے اپنے ترکش سے آخری تیر نکالا اور طلوعِ اسلام کے خلاف فتاویٰ کفر و الحاد کی ساوف سے تعمیر کردہ فصیل کی اوٹ میں جا بیٹھی۔ لیکن طلوعِ اسلام کا قافلہ شمعِ قرآنی کی روشنی میں منزل کی طرف بے خطر آگے ہی بڑھتا رہا۔

رواں دواں ہی رہا کاروانِ صدق و وفا　　اگرچہ راہ میں سنگِ گراں بھی آئے ہیں

عزیزانِ مکرم! طلوعِ اسلام نے یہ سب کچھ اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے جس کے لئے وہ کسی معاوضہ کا طلبگار نہیں۔ اتباعِ اسوۂ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میں وہ :-

مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ (۳۴/۴۷)

میں اس سعی و کاوش اور بیداریٔ شب کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ اس تپش و گداز اور تگ و تاز کا ماحصل تو پوری انسانیت کے لئے ہے۔

صلۂ شہید کیا ہے، تب و تابِ جاودانہ

برادرانِ عزیز! میرا آج کا مقالہ بھی طلوعِ اسلام کی پیش کردہ فکر کا مرہونِ منت ہے۔ نہیں! بلکہ اُس فکر کا ایک حصہ ہے جو طلوعِ اسلام کے ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اپنی بات تو رہی ایک طرف طلوعِ اسلام کی انقلابی دعوت سے اب مُلّا بھی مجبور ہو رہا ہے کہ زندگی کے عملی مسائل کے حل کے لئے قرآن کا سہارا لے۔ اگرچہ وہ طلوعِ اسلام کے نام سے لاکھ بِدکے تاہم ہر محراب و منبر سے اپنے مواعظ و خطبات میں خیالات تو کجا الفاظ و اصطلاحات تک طلوعِ اسلام کی استعمال کرتا ہے ؎

یہاں تک تو لگا لائے ہیں ہم رستے پہ واعظ کو
کہ سمجھاتا ہوا اب تا درِ میخانہ آتا ہے

ہماری دعا ہے کہ شمعِ خانۂ حجاز کی چار دیواری کے اندر اب اس کو سکون نصیب ہو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تذبذب و اضطراب کے بھنور سے اس کو نجات ملے کیونکہ اب ؎

سنا ہے شیخ نے بھی بیعتِ پیرِ مغاں کر لی
غنیمت ہے کہ بھولا صبح کا ہنگامِ شام آیا

مردِ قلندر

عزیزانِ گرامی قدر! جونہی آپ طلوعِ اسلام کا نام لیتے ہیں تو بلا توقف ایک ایسی عظیم شخصیت آپ کے سامنے آ جاتی ہے کہ جس کے بغیر طلوعِ اسلام کی فکر بے عنوان رہ جاتی ہے۔ یہ شخصیت وہ مردِ قلندر ہے کہ ؎

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشہ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

خدا کرے اس مردِ کوہکن کا پیامِ انقلاب دنیائے انسانیت کے لئے وہی تخم صالح بن جائے جس سے ایک مرتبہ پہلے سرزمینِ حجاز میں وہ شجر بلند و بالا ہو چکا ہے جس کی رفعتوں کے متعلق اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴/۲۴) کہا گیا تھا اور جس کی ہمہ گیر پہنائیوں کو لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (۲۴/۳۵) سے تعبیر کیا گیا تھا۔ اس شجرِ طیبہ کی روئیدگی اور بار آوری آبِ رودِ قرآن ہی سے ممکن ہے۔ اور یہی ہمارے محترم جناب پرویز کے پیام کا مقصود و منطوق ہے۔ اور یہی ولولہ ان کی پیرانہ سالی کی جوانی ہمتی کا راز ہے۔

تاریخ اور قرآن

برادرانِ عزیز! طلوعِ اسلام کی تحقیق کے مطابق تاریخ کو سب سے پہلے قرآن نے سائنس آف ہسٹری

یا فلسفۂ تاریخ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ قوموں کی موت و حیات یونہی اتفاقی طور پر واقع نہیں ہو جاتی، اُن کا عروج و زوال اندھا دُھند طریق پر ظہور میں نہیں آ جاتا۔ اس کے لئے خاص قانون اور اصول مقرر ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآنِ حکیم کے اندر جہاں قانون عطا کیا ہے وہاں تاریخی شہادتیں بھی بیان کی ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (۲۴/۳۴)

ہم نے تمہاری طرف اپنے واضح قوانین نازل کئے ہیں اور ان کی تائید و وضاحت کے سلسلے میں اقوامِ سابقہ کی تاریخی شہادتیں بھی بتا دی ہیں۔ جن کے اندر ان لوگوں کے لئے جو زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہیں، درسِ عبرت ہے۔

حفاریات (ARCHAEOLOGY)

طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ تاریخی شہادتوں کا علم جسے ہم (PERCEPTUAL KNOWLEDE) کہتے ہیں لائبریری کی چار دیواری میں بیٹھ کر یا حجروں اور مزاروں میں چلہ کشی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ:-

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ (۳۰/۴۲)

باہر نکلو اور سابقہ اقوام کے دیار و احصار میں جا کر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو کہ اُن قوموں کا انجام کیا ہوا جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں۔

اور جن قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہوا اُن کے جرم کی نوعیت یہ بتائی کہ:-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔ (۳۲/۲۲)

اس سے بڑھ کر ظلم یعنی جرم کیا ہو سکتا ہے کہ جب کسی کے سامنے آیاتِ الٰہی پیش کی جائیں تو وہ اُن سے منہ پھیر لے؟ یہی لوگ مجرم ہیں اور ان سے اس جرم کا بدلہ لیا جائے گا۔

اور مزید تاکیداً کہا۔

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ (۲۷/۶۹)

اُٹھو روئے زمین پر پھرو اور دیکھو کہ مجرمین کا کیا انجام ہوا۔ ان کی اُجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات کی ٹھیکریوں پر تمہیں ان کی داستانِ حسرت لکھی ہوئی نظر آئے گی۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ..... وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ (۱۵/۷۶ و ۱۵/۷۹)

اور یہ بستیاں کوئی ڈھکی چھپی نہیں، بلکہ عام شاہراہ پر واقع ہیں جہاں آمد و رفت کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

ضمناً ہیں یہ سطور ٹیکسلا میں بیٹھا قلمبند کر رہا ہوں جہاں عہدِ رفتہ کی اُجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات چشمِ عبرت بن کر جھانک رہے ہیں۔

چیلنج

عزیزانِ محترم! آپ نے دیکھا کہ حصولِ علم اور اصلاحِ احوال کے لئے تاریخی اور اثری شہادتوں (HISTORICAL AND ARCHAEOLOGICAL EVIDENCE) کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر اہمیت دی ہے۔ لیکن دیکھنا ہمیں یہ ہے کہ اِن کی صداقت کا ثبوت کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو قرآن کی صداقت، محکمیت اور قطعیت بلکہ خود خدا کی (EXISTENCE) کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

فرعون

تاریخی استقراء اور حقارت کے سلسلہ میں ہمارے سامنے ایک ایسی شخصیت آتی ہے جس کے تسلط، دبدبہ اور جاہ و جلال کی نظیر نوعِ انسان کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ شخصیت ہے فرعونِ موسیٰ (THE GREATEST VILLAIN OF THE HISTORY OF MANKIND) تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا ولین جس نے بزعمِ خویش دعویٰ کر رکھا تھا کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (۷۹/۲۴) کہ "سب سے بڑا رب میں ہوں"۔

اب ذرا عزیزانِ مکرم! اس مقام کو سامنے لائیے جب فرعون نے بنی اسرائیل کا خروج کے وقت پیچھا کیا تھا۔ بنی اسرائیل تو حضرت موسیٰؑ کی سربراہی میں سمندر پار کر گئے۔ کیونکہ فرعون اپنے جنود و عساکر کے ساتھ اُن کے تعاقب میں بڑھا تو عذابِ الٰہی کے تلاطم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب فرعون نے محسوس کیا کہ موت سامنے کھڑی ہے تو پکار اٹھا کہ میں خدا پر ایمان لے آیا جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں یعنی بنی اسرائیل کا خدا۔ اور میں اعلان کرتا ہوں کہ میں بھی اس کے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں۔ لیکن

لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ (۴/۱۸)

اُن لوگوں کی توبہ توبہ نہیں جو ساری عمر تباہیاں مچاتے رہیں اور جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو کہنے لگے اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اس طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں۔

اس طرح فرعون کو جواب ملا۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰/۹۱)

ہاں اب تو ایمان لایا حالانکہ پہلے برابر سرکشی برتتا رہا اور تو دنیا میں مفسد انسانوں میں سے ایک بڑا ہی مفسد تھا۔

لیکن :-

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (۱۰/۹۲)

آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو سمندر میں غرق ہونے سے بچا لیں گے تاکہ آنے والی قوموں کے لئے تیری لاش آیۂ عبرت ہو۔

موجودہ کتبِ سماوی پر قرآن کی برتری

یہ ہے انجام اس فرعون کا جس سے زیادہ پُرشکوہ کوئی بادشاہ نہیں گذرا۔ لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس حصۂ واقعہ کا ذکر نہ تو تورات میں موجود ہے جسے "عہدنامۂ عتیق" (OLD TESTAMENT) کہتے ہیں جو بنی اسرائیل کی کتب کا مجموعہ ہے اور نہ ہی چاروں انجیلوں میں سے کسی ایک میں جنہیں "عہدنامۂ جدید" (NEW TESTAMENT) کہتے ہیں، تورات کتاب خروج باب ۱۴، آیت ۲۹ میں صرف یہاں تک ذکر ہے کہ فرعون معہ اپنے جیوش کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ لیکن حقیقت کی نقاب کشائی صرف قرآن نے کی کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو خدا پر ایمان کا اقرار کیا اور خدا نے اس کے جسم کو سمندر میں غرق ہونے سے بچا لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لینے کا وعدہ کیا۔ چونکہ اس طرح کا واقعہ کسی اور کتاب کے اندر نہیں تھا منکرین قرآن اس پر طرح طرح کی پھبتیاں کستے اور کہتے کہ صرف اسی ایک واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ نے اس قرآن کو اپنے پاس سے لکھ لیا ہے۔ وگرنہ ایسا واقعہ کسی سابقہ کتاب کے اندر موجود نہیں۔

قرآن کی صداقت

لیکن یہ بات نہ غیروں کی اور نہ ہی اپنوں کی سمجھ میں آتی تھی کہ فرعون کی لاش کو کیسے محفوظ کیا گیا۔ اور وہ کہاں گئی؟ لیکن جس ذات کا یہ بیان ہے اس نے یہ اہتمام بھی کر لیا تھا کہ مناسب وقت آنے پر اس کا ثبوت مہیا کر دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں یہ اللہ تعالےٰ نے کہا، چونکہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اس لئے اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۷۵/۱۹) اس میں بیان کردہ حقائق کو ظاہر کرنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ ایسا ہوگا کہ :-

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (۴۱/۵۳)

ہم اپنی آیات عالمِ آفاق اور عالمِ انفس دونوں میں دکھلاتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ یہ بات اُبھر کر سامنے آ جائے کہ قرآن حق ہے۔

قرآن کا یہ بیان صدیوں تک مرکزِ بحث و نظر بنا رہا۔ خوابیدہ حقائق کروٹیں لیتے رہے۔ تاآنکہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں مصر کے تہہ خانوں سے ان کے قدیم بادشاہوں کی حنوط (ممی شدہ) لاشیں برآمد ہونا شروع ہوئیں۔ اور بالآخر مذکورہ صدر واقعہ کے تقریباً تین ہزار سال بعد ۱۹۰۷ء میں ایک ایسی لاش برآمد ہوئی جس کے متعلق علمائے حفریات کی تحقیق ہے کہ وہ لاش فرعونِ موسیٰ یعنی ذمیسیس ثانی کی ہے ۔۔۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) یہ میانہ قد کا دُبلا پتلا سا آدمی ہے۔ جس کے چہرہ سے اب بھی وحشت، بربریت اور غضب کے آثار نمایاں ہیں۔ اس طرح فرعونِ موسیٰ کی لاش جو اس وقت مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چودہ سو سال پہلے کی کہی ہوئی بات کی شہادت کے طور پر خدا کی طرف سے نشانی قرار پا گئی۔!!!

صحیفۂ فطرت کا ایک اور ورق "ہامان"

فرعون کے سلسلہ میں ایک اور اہم کردار سامنے آتا ہے۔ اور وہ ہے فرعون کا رفیقِ اعلیٰ ہامان۔ مصر کے لوگ دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ آمن تدرع (سورج کا دیوتا) ان سب میں بڑا تھا۔ آمن تدرع کے مندر کے پجاریوں کا سردار کاہن آمن کہلاتا تھا اور یہی آمن قرآن کا ہامان ہے۔ تورات فرعون کے اس دستِ راست کے ذکر سے بھی خاموش ہے۔ اس لئے عیسائی مستشرقین قرآن میں ہامان کے بیان کے متعلق بھی طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ لیکن زمانہ انکشافات کا منتظر تھا۔ جب تاریخِ مصر کی یہ گم گشتہ کڑیاں برآمد ہوئیں تو ہامان معہ اپنی خصوصیات کے اُبھر کر سامنے آ گیا۔

آپ کو یاد ہوگا قرآن کے بیان کے مطابق فرعون نے ہامان سے کہا تھا :۔

> يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا۔ (۴۰/۳۶-۳۷)
>
> اے ہامان! میرے لئے ایک بلند مینار تیار کرایا جائے جس پر چڑھ کر میں موسےٰ کے خدا کو دیکھ لوں کیونکہ میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

غیروں کی شہادت

آپ اس بیان پر حیران ہوں گے کہ ہامان تو مندر کے پجاریوں کا سردار کاہن تھا۔ اُس کا تعمیر سے کیا تعلق ؟ لیکن نہیں! قرآن کا بیان کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سٹینڈروف اپنی کتاب (قدیم مصریوں کا مذہب) میں لکھتا ہے :۔

> آمن دیوتا کے سردار کاہن کو نبی اوّل کہتے تھے۔ وہ محکمہ تعمیرات کا افسر بھی تھا۔ مندر کی عالیشان عمارات اور ان کی زیبائش و آرائش کا انتظام اسی کی تفویض میں تھا۔ یہی دیوتاؤں کی فوج یعنی مندر کی سپاہ کا جرنیل بھی تھا ۔۔۔

> خزانہ کی نگرانی اور نظم و نسق کا بھی ذمہ دار تھا۔ نہ صرف آمن کا مندر اور اس کے پجاری اس کے دائرۂ حکومت میں تھے بلکہ تھیبس اور شمالی اور مغربی مصر کے تمام منادر کے پجاریوں کا افسرِ اعلیٰ بھی یہی تھا۔ اگر حساب لگایا جائے تو شہر تھیبس کے آمن کے مندر کے قبضہ میں مصر کی زمین کا دسواں حصہ تھا اور کم از کم سویں حصہ آبادی پر اس کی حکومت تھی۔

یہ تھی آمن دیوتا کے مندر کے سردار کاہن یعنی اسقفِ اعظم (HEAD PRIEST) کی وجاہت و ثروت جو قرآن کا ہامان ہے۔ ڈاکٹر سینڈروف نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جرمنی میں مصر کا ایک مجسمہ ہے جس پر منقوش ہے کہ وہ آمن کے سردار کاہن نبستن خونس کا ہے۔ جو رعمسیس ثانی کا زمانہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہامان کا اصل نام نبستن خونس تھا اور ہامان اس کا لقب تھا۔۔۔ جیسا کہ رعمسیس ثانی کا فرعون۔ لیکن تورات (جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا) اس اہم شخصیت کے ذکر سے بھی ساکت ہے جس کا مملکت میں اس قدر عمل دخل تھا کہ اس کے بغیر نظامِ حکومت چل نہیں سکتا تھا۔ لیکن نظامِ سرمایہ داری کے اس امام اور مذہبی پیشوائیت کے سرخیل کو قرآن نے بے نقاب کیا، جس کی تائید اثری انکشافات نے کی۔

فنِ حنوط

مصر کے اِن آثار قدیمہ کی دریافتوں سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہو جاتا ہے کہ حنوط شدہ لاشیں تاریخ کی کس تہذیب اور ذہنی سطح کی غمازی کرتی ہیں۔ قدیم اہلِ مصر کا عقیدہ تھا کہ موت کے بعد روح جسم کے ساتھ قبر میں رہتی ہے۔ اور اگر جسم ضائع ہو گیا تو روح کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ اور وہ بھٹکتی پھرے گی۔ انھوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق کہ روح جسم کے اندر ہی رہے، ایسی دوائیں دریافت کر لی تھیں جن کے استعمال سے جسم غیر محدود زمانہ تک سڑنے گلنے سے محفوظ رہتے۔ ان کے ہاں ایک خاص رسم یہ تھی کہ ممی تیار ہو جانے کے بعد اس کے تابوت کو ایک چبوترے پر رکھ دیتے جو کھلے میدان میں ہوتا۔ وہاں عوام بھی اکٹھے ہو جاتے۔ ان کے علاوہ کاہن اور مذہبی حکام بھی وہاں آ جاتے جن کی طرف سے یہ اعلان ہوتا کہ اگر کسی کا مرنے والے پر کوئی دعویٰ ہے تو پیش کرے۔ اگر کوئی دعویدار نہ نکلتا تو لاش کو قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت مل جاتی۔ اس پر مرنے والے کے عزیز و اقارب ماتمی لباس اتار دیتے اور جشن مناتے۔ لیکن اگر کسی مرنے والے کے خلاف کوئی دعویدار نکل آتا تو اس کو گنہگار قرار دے دیا جاتا اور اس کی لاش کو قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ ملتی۔ اس طرح اس کے ورثاء اس کے تابوت کو رکھ دیتے۔ مدت کے بعد عام معافی (GENERAL AMNESTY) کا اعلان ہوتا اور اس کی لاش کو قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت مل جاتی۔ اس دستور کی وجہ سے ان لوگوں کے اخلاق نسبتاً بلند تھے۔ کیونکہ وہ اس آخری

رسوائی اور فضیحت کے خوف سے، جسے وہ یوم محشر کہتے تھے، خاصے محتاط رہتے۔ اپنے معاملات کو صحیح رکھتے اور اپنے خیال کے مطابق برائیوں سے بچتے۔ لیکن یہ ان کا انفرادی کردار تھا۔ وحی کی راہ نمائی سے بے نیاز ہو کر ان کا اجتماعی نظام بہرحال باطل پر مبنی رہتا۔

فرعون کی لاش کیسے محفوظ ہوئی

آپ نے ملاحظہ کیا کہ قدیم مصری علم الادویات میں کس قدر مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایسی دوائیں تیار کر لی تھیں جن سے انسانی لاش کو ضائع ہونے سے محفوظ کر دیا جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ فرعون ڈوب کر مر گیا تھا لیکن اس کی لاش غرق ہونے سے بچ گئی تھی۔ یا تو وہ سمندر کی طوفانی لہروں سے کنارے پر آ گئی تھی یا خود اُن لوگوں نے جو ہنوز سمندر میں نہیں اترے تھے اور ساحل سمندر پہ ہی رہے تھے اپنے حکمرانوں کی لاشوں کو جیسا کہ عام ہوتا ہے سمندر سے نکال لیا ہو اور رواج کے مطابق ممی (MUMMY) بنا لیا ہو۔ یہی وہ مروّج طریقہ تھا جس کے ذریعہ فرعون کی لاش محفوظ ہو گئی تھی۔ اور قرآن نے اس کی شہادت دی تھی۔ ذہن انسانی کا یہ کس قدر عظیم کارنامہ ہے۔ اس طرح خواہ وہ کتنا ہی ترقی کرتا جائے ارادی یا غیر ارادی طور پر خدا کے قانون کی زندہ شہادت بنتا چلا جاتا ہے۔ جس کا قانونی ضابطہ قرآنِ عظیم ہے۔

الوحی !——— الکتاب !!——— القرآن !!!

نگہہ بازگشت

تاریخِ انسانیت کی وہ گم گشتہ کڑیاں جو مرورِ زمانہ سے آنکھوں سے مستور ہو گئی تھیں، انقلابات زمانہ کے دستِ غیب نے ان پر پڑی ہوئی بوسیدہ سلوں کو ایک ایک کر کے اتار دیا اور صحیفۂ فطرت کے یہ شاہکار قوموں کے عروج و زوال اور موت و حیات کے مستقل پیمانوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے عالمِ مشہود پر آ گئے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا مزید انکشافات ہوتے چلے جائیں گے اور قرآنی حقائق کی تائید و وضاحت کرتے چلے جائیں گے۔

ان قرآنی دلائل و شواہد کے مطابق نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں:-

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ ۝

اللہ تعالٰے ان قوموں کو رفعت عطا کرتا ہے جو قانونِ الٰہی (قرآن) کا اتباع کرتی ہیں اور جو قومیں اس سے روگردانی کرتی ہیں اور کسی اور ضابطوں کا سہارا لیتی ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔

——————— (مسلسل)

حرفِ آخر

طلوعِ اسلام، جس کا تحریکِ پاکستان سے گہرا تعلق رہا ہے روزِ اوّل سے کہتا چلا آ رہا ہے کہ چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس لئے ایفائے عہد (اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ) کا تقاضا ہے کہ یہاں قرآنی نظام قائم کیا جائے وگرنہ ہم اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (۶/۱۵) اس خوف سے لرزاں ہیں کہ قانونِ الٰہی سے بچ نہیں سکیں گے اور ہماری کیفیت بھی اُن قوموں سے مختلف نہیں ہوگی جن کے عبرتناک انجام کی شہادت تاریخی استقراء اور اثری انکشافات دے رہے ہیں۔ لیکن طلوعِ اسلام کو یقین ہے کہ پاکستان کا مسلمان ایسی نوبت نہیں آنے دیگا۔ اور اقوامِ سابقہ کی تاریخ دہرانے نہیں دے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

حقائق و عبر

۱۔ جرأت مندانہ اقدام

جماعتِ اسلامی ملک کے لئے کس قدر خطرہ کا موجب ہے، اس کا احساس تو قریب ہر برسرِ اقتدار آنے والی حکومت کو ہوتا رہا لیکن، ان میں سے کسی کو اس کی جرأت نہ ہوئی کہ وہ برملا ان کے نقاب کو نوچ کر انہیں ان کی اصلی شکل میں قوم کے سامنے لے آئے۔ جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے، صدر ایوب (مرحوم) نے ایک دفعہ اپنی نشری تقریر میں کہا تھا کہ:-

> اب ایک ایسا شخص سے زیادہ مکار شخص مذہب کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آ گیا ہے۔ یہ شخص سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔
>
> (امروز ۲ دسمبر 1963ء)

لیکن اس باب میں مسٹر بھٹو نے جس جرأت اور بے باکی کی مثال پیش کی ہے وہ تاریخ میں محفوظ رہے گی۔ انہوں نے ۲۱ دسمبر 1976ء کو قائداعظمؒ کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلہ میں منعقدہ وفاقی پارلیمان اور سینیٹ کے مشترکہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے، یہ پردہ کشائی بڑے ڈرامائی انداز سے کی۔ وہ اجلاس سے خطاب کر رہے تھے تو سامنے دیوار پر قائداعظمؒ کی قدِ آدم تصویر آویزاں تھی۔ انہوں نے تقریر کے عام انداز سے ہٹ کر، قائداعظمؒ کو براہِ راست مخاطب کیا، اور بڑے مؤثر انداز میں بات شروع کی۔ انہوں نے کہا۔

> اے قائداعظمؒ! مجھے معلوم ہے کہ (جہادِ پاکستان کے دوران) آپ کا سینہ کس کس قسم کے تیروں اور نشتروں سے چھلنی کیا گیا۔ انگریز نے آپ کو مغرور کہا۔ یہ بات قابلِ فہم تھی کیونکہ آپ نے اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ اس کی شان و شوکت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ کانگریسی لیڈروں اور ان کے متبعین نے آپ کو غدار کہا۔ یہ بات بھی قابلِ فہم تھی کیونکہ آپ ان کے دامِ فریب میں نہیں پھنسے تھے۔ لیکن جو بات قطعاً قابلِ فہم نہیں۔ جس بات نے آپ کو یقیناً پریشان اور ہراساں کر دیا ہوگا، یہ تھی کہ جس قوم کی خاطر آپ غیروں کی طرف سے یہ سب کچھ برداشت کر رہے تھے، خود وہ قوم اس ناوک افگنی اور نشتر زنی میں پیش

ہیتی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ فلاں صوبے کے مسلمانوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا اور فلاں علاقے کے مسلمانوں نے کیا۔ اس تفصیل کے بعد کہا کہ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ کہ یہ مولوی اور مولانا حضرات" بھی آپ کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گئے۔ کسی نے آپ کو کافر کہا، کسی نے مرتد۔ کسی نے بے دین کہا کسی نے ملحد۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ یہ لوگ آج آپ کی شان میں مدح و ستائش کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ اخبارات میں خطوط اور مضامین شائع کراتے ہیں کہ ہم شروع ہی سے قائداعظمؒ کو پکا اور سچا مسلمان، مسلمانوں کا مخلص ترین لیڈر اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں ان میں سے کسی نے بھی اپنے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہیں چھوڑا جسے آپ کے سینے میں پیوست نہ کر دیا ہو۔

اس کے بعد مسٹر بھٹو نے کہا کہ ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو آپ (قائداعظم) کے خلاف کہتا تو وہی کچھ تھا جو دوسرے مولوی کہتے تھے لیکن کہتا تھا نسبتاً نکھری ہوئی زبان میں۔ میں اس کی اس زمانے کی تحریروں کے چند ایک اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے مودودی صاحب کی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ حصہ سوم" کے اقتباسات (انگریزی زبان میں) پڑھنے شروع کئے۔ وہ یہ اقتباسات پڑھتے جاتے تھے۔ اور سننے والے ایسا محسوس کرتے تھے گویا پرویز صاحب کا خطاب "اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش" ان کے سامنے ہے اور وہ اس کا انگریزی ترجمہ پیش کئے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کس قدر اقتباسات پیش کئے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ پاکستان ٹائمز لاہور مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۶ء کے پورے اڑھائی کالم میں سما سکے ہیں۔

مسٹر بھٹو کے اس جرأت مندانہ اقدام نے ملک میں بڑا گہرا اثر پیدا کیا ہے اور لوگ یہ محسوس کرنے لگ گئے ہیں کہ یہ جماعت، پاکستان کے لئے فی الواقعہ بڑی خطرناک ہے اور اس کا بانی، جو آج کل قائداعظمؒ کی مدح و ستائش میں خطوط اور مضامین شائع کراتا رہتا ہے وہ کس قدر فریب دہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۲۔ اُسی ایوان میں قرآن کی آواز

پرویز صاحب نے قائداعظمؒ کی برسی اور سالگرہ کی تقاریب پہ جو خطاب پیش فرمایا اور جو بعد میں "عظمتِ کردار کا گوہرِ تابدار" کے عنوان سے پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع ہوا، اس نے ملک میں بڑی مقبولیت حاصل کی ہے اور ہر بڑی محفل میں اس کا چرچا ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ اس گوہرِ تابدار کی شعاعوں نے پاکستان کی مجلس قانون ساز کے آئین کو بھی جلا بخشی تفصیل اس اجمال

کی یہ ہے کہ پارلیمان اور سینٹ کے اس مشترکہ اجلاس سے، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، محترم کوثر نیازی صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کہا اُسے ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے کہا:۔

مفتی صاحب! مولانا صاحب! لباسوں میں کیا رکھا ہے؟ جو کچھ ہے عمل ہے، آیئے ترکِ رسوم کے موحد کا ایک واقعہ سنیئے۔ جناح مذہبی تاجر نہ تھا، مذہب کا مفکر نہ تھا۔ اور دنیاوی امور میں پروٹوکول کا شدت سے خیال رکھنے والا۔ جس کو اپائنٹ منٹ کے بغیر ملنے کا کوئی تصور تک نہیں کر سکتا تھا، اس کی جلوت و خلوت میں، اس شخص کو ہر وقت، ہر لمحے تمام فارمیلیٹیز کے بغیر حاضر ہونے کی اجازت تھی جو انہیں کلام اللہ پر فکر کرنے کے لئے آیات سنایا کرتا تھا۔ وہ خود مروی ہے کہ ایک نشست میں، میں نے قرآن مجید کے کسی مقام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری عمر مبارک اپنے مقصد کے حصول میں جانکاہ مشقتیں اٹھاتے گذر گئی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ کسی وقت حضورؐ کے قلبِ مطہر میں حسین و معصوم سی آرزو ابھری کہ بارالٰہا! میں اپنے مقصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاصل ہوتے دیکھ سکونگا یا میری زندگی اسی تگ و تاز میں گزر جائے گی؟ اللہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ملا کہ:۔

جو کچھ تمہارے پروگرام کے مخالفین سے کہا جا رہا ہے وہ تیری زندگی میں تیرے سامنے آ جائے یا اس سے پہلے ہی تیری وفات ہو جائے اس سے تجھے کچھ سروکار نہیں، تیرا کام اس پیغام کو عام کئے جانا ہے۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق اس کا نتیجہ کب سامنے آتا ہے۔

اس شخص نے لکھا ہے کہ یہ سُن کر قائداعظمؒ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ شاید ہی کسی نے قائد کو آب دیدہ دیکھا ہو ــــ کیوں؟ قائد ہی کے الفاظ میں سنیئے۔ فرمایا:۔

جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم ہستی کے لئے بھی ذرا سی رعایت روا نہیں رکھی، اور صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق واقع ہوگا خواہ تمہاری زندگی میں ہو اور خواہ اس کے بعد۔ تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ وہ ہماری خاطر اپنے قانون میں کیوں رعایت برتے گا؟ اس لئے معلوم نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے دیکھ سکیں گے یا نہیں؟

یہ کسی صوفی یا مولوی کا ردِعمل نہیں، محمد علی جناحؒ کا ردِعمل ہے۔ آپ نے بہت سی تفسیریں پڑھی ہوں گی لیکن اسی آیت پر جناحؒ جیسے عملی آدمی کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرما لیں۔ کہتے ہیں:۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ نے بات بنا دی۔ ورنہ خدا کا جواب

تو بڑا خشک اور قانونی جواب تھا۔ (نوائے وقت ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء)

قارئین طلوعِ اسلام جانتے ہیں کہ یہ واقعہ مذکورہ بالا پمفلٹ سے مقتبس ہے اور اس کے راوی خود پرویز صاحب ہیں۔ ہمارے لئے یہ امر موجبِ صد مسرت و ہزار افتخار ہے کہ ہماری اس سعیٔ ناچیز سے، قرآن اور صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) کی آواز ایوانِ حکومت تک بھی جا پہنچی۔ فللہ الحمد

ہمیں اس ضمن میں کئی ایک خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ مولانا کوثر نیازی صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ جرأت سے کام لیتے اور "اس شخص" کا نام بھی لے دیتے جس کی نسبت سے انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ ہم اس ضمن میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۳۔ وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں!

پاکستان میں قائدِاعظمؒ کا صد سالہ جشنِ ولادت جس انداز سے منایا گیا ہے ہمارا خیال ہے کہ تاریخ میں شاید ہی اس کی مثال ملے۔ یعنی پورے ایک سال پر پھیلا ہوا جشن۔ اس سلسلہ میں سیمینارز، مذاکرات، سمپوزیا، مباحثات، تقاریر، مقالات منصۂ شہود پر آئے۔ حتیٰ کہ متعدد کتابیں بھی لکھی گئیں جشن کے اختتام پر، اسلام آباد میں جو کانفرنس منعقد ہوئی اس کی نظیر بھی شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ اس میں پاکستان اور بیرونی ممالک سے قریب دو صد مندوبین نے شرکت کی۔ ان میں (۴۴) بیرونی ممالک کے (۹۰) سکالرز بھی شامل تھے۔ کانفرنس پانچ دن تک جاری رہی جس میں ساٹھ سے زیادہ نہایت بلند پایہ علمی اور تحقیقاتی مقالات پیش کئے گئے۔ یہ مقالات سرورق سائیکلوسٹائیلڈ صورت میں مندوبین کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ بعد میں انہیں طبع بھی کرایا جائے گا۔ یہ مقالات ہماری نظروں سے نہیں گذرے لیکن پاکستان ٹائمز کے "زینو" کے قلم سے ان کے جستہ جستہ نکات، اس اخبار کی (۲۹، ۳۰ اور ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء) کی اشاعتوں میں شائع ہوئے ہیں، جو کافی معلومات افزا ہیں۔

سال بھر میں جس قدر مقالات شائع ہوئے یا تقریریں کی گئیں۔ یا مذکورہ صدر کانفرنس میں پیش کردہ مقالات کے جو اہم نکات ہمارے سامنے آئے ان میں پاکستان اور قائدِاعظمؒ کے متعلق اور تو سب کچھ کہا گیا لیکن اس امر کی (غالباً) خاص احتیاط برتی گئی کہ ان میں قرآن کا نام نہ آنے پائے۔ چنانچہ یہ لفظ ہم نے، اس سلسلہ میں سارا سال نہ کہیں سے سنا، نہ لکھا دیکھا حالانکہ ایک دنیا جانتی ہے کہ قائدِاعظمؒ نے تحریک پاکستان اور مسلمانوں کیلئے الگ مملکت کی بنیاد ہی قرآن مجید کے تقاضا اور مطالبہ پر رکھی تھی۔ وہ اس تگ و تاز کے دس سال میں برابر قرآن۔ قرآن، پکارتے رہے لیکن اب ہم ہیں کہ اس امر کی خاص طور پر احتیاط برتتے ہیں کہ ان کی زندگی اور

تحریک کے سلسلہ میں قرآن کا نام نہ آنے پائے۔

اسی جشن کے تضمنات میں قائدِ اعظمؒ کی زندگی اور تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں متعدد کتابیں بھی لکھوائی اور چھپوائی جا رہی ہیں۔ یہی کتابیں (اور سال بھر کے مقالات وغیرہ) تحریکِ پاکستان کی تاریخ کی بنیاد قرار پائیں گے۔ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں بھی قرآن کا نام کہیں نہیں آنے پائے گا۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اس تاریخ سے تحریکِ پاکستان اور مطالبۂ مملکت کی کس قسم کی تصویر سامنے آئے گی۔ اور چونکہ یہ تاریخ ہم عصرانہ (CONTEMPORARY) ہوگی اور خود "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے زیرِ اہتمام مرتب اور شائع شدہ، اس لئے اس کے مستند ہونے میں شبہ کیا ہو گا؟

اس ایک مثال سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ تاریخ کو مسخ کس طرح کیا جاتا ہے اور حقائق تک پہنچنے میں اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ خود اسلام کی تاریخ کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے۔ اور اسی سے آپ اس کا بھی اندازہ لگا لیجئے کہ اب جو علامہ اقبالؒ کا سال بھر کا جشن منایا جائے گا اس میں کیا ہوگا!

ہمیں سال بھر اس قسم کے خط موصول ہوتے رہے جن میں کہا گیا کہ قائدِ اعظمؒ کا جشن سال بھر تک جاری رہا۔ اس کی مختلف تقاریب میں، پاکستان کے گوشے گوشے کے تو ایک طرف، سات سمندر پار تک کے حضرات مدعو کئے گئے۔ لیکن اسی ماحول میں وہ شخص بھی بیٹھا تھا جو پوری تحریکِ پاکستان میں قائدِ اعظمؒ کے قریب تر رہا۔ لیکن حیرت ہے کہ اس شخص کو کسی ایک تقریب میں بھی یاد نہ کیا گیا۔ ہمیں امید ہے کہ اب ان حضرات کو اپنے سوال کا جواب خود بخود مل گیا ہوگا۔ یہ شخص، محترم کوثر نیازی کے بیان کے مطابق "خلوت و جلوت میں قائدِ اعظمؒ کو کلام اللہ پر فکر کرنے کے لئے آیات سنایا کرتا تھا"۔ ظاہر ہے کہ اگر اس شخص کو ان تقاریب میں بلایا جاتا تو یہ قرآن کی بات کرتا۔ تو سوچئے کہ ان حضرات کے نزدیک، اس سے زیادہ غیر مقبول (بلکہ خطرناک) کون ہو سکتا تھا؟ ان کے راستے میں وہ شخص حائل نہیں ہو رہا تھا قرآن حائل ہو رہا تھا!

۴۔ اختلافات مٹانے کا آسان ترین طریقہ

اس اقتباس کو غور سے پڑھئے:۔

مولانا محترم سے ایک صاحب نے آمین بالجہر کے اثبات کے بارے میں سوال کیا۔ مولانا محترم نے فرمایا: حدیث کی کتابوں میں آمین بالجہر کا ثبوت بھی ملتا ہے اور خاموشی سے آمین کہنے کا

> بھی لیکن میں اس بات کا قائل ہوں کہ اگر ایک آدمی ایک ثابت شدہ سنت پر عمل کر رہا ہو، اور اس کے مقابلے میں دوسری بھی ثابت شدہ سنتیں ہوں تو ایک مسلمان کو دوسری ثابت شدہ سنتوں پر بھی ضرور عمل کرنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ زندگی میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔ ایک آدمی زور سے آمین کہنے کا قائل ہے، اسے کبھی آہستہ بھی کہنی چاہیئے۔ تاکہ دونوں سنتوں پر اس کا عمل ہو جائے۔ بس یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ کوئی سنت ایسی نہ رہ جائے، جس پر آدمی عمل نہ کر سکا ہو۔
>
> (ایشیا ۳۰ر مارچ ۱۹۷۵ء)

سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں اس تفقہ فی الدین کے؟ کیا فرماتے ہیں علماء اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ مودودی صاحب کے اس نسخہ کے بارے میں؟ کیا وہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں؟ لیکن ہماری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔ آمین بالجہر یا خفی کے معاملہ میں تو مودودی صاحب کا پیش کردہ طریق قابلِ عمل ہو سکتا ہے ــــ کبھی یوں کر لیا کبھی ووں ــــ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان کی اسلامی مملکت میں، سنتِ رسول اللہؐ کی رو سے ملکی قوانین مرتب ہوئے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔ کیا اس وقت بھی ہر شخص کو اجازت ہوگی کہ وہ کبھی ایک قانون پر عمل کرے اور کبھی (اس کے برعکس) دوسرے قانون پر۔ اور اس طرح ساری زندگی ان مختلف قوانین پر عمل کرتا رہے تاکہ کوئی ایسی سنت رہ نہ جائے جس پر وہ عمل نہ کر سکا ہو!

آپ نے دیکھا کہ کیسے دلچسپ ہیں یہ بزرگوار اور کیسا طرفہ تماشا ہے ان کا مذہب! باقی رہی وہ مملکت، جس میں بیک وقت اس قدر باہم دگر مختلف اسلامی قوانین نافذ ہوں، تو اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ ــــ خدا اس کے حال پر رحم کرے۔

۵۔ قرآنِ مجید کے نادان دوست

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، ایلوپیتھک ڈاکٹر ہیں لیکن انہوں نے اپنی زندگی (اپنے تصور کے مطابق) قرآنِ کریم کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے "خدام القرآن" کے نام سے ایک انجمن کی بھی تشکیل کی ہے۔ قرآنِ مجید کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینا بہت بڑا عملِ خیر ہے اور مستحقِ ستائش۔ لیکن اصل سوال خدمتِ قرآن کے لئے زندگی وقف کر دینے کا نہیں۔ (اصل سوال) یہ ہے کہ قرآن مجید کی وہ خدمت کس قسم کی ہے جس کے لئے زندگی وقف کی گئی ہے۔ اس "خدمت" کی ایک مثال اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے زیرِ ادارت

اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ میثاق کی جنوری ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے — "سعی بین الصفا والمروہ" — اس میں تحریر ہے :-

حضرت اسماعیلؑ ابھی شیرخوار ہی تھے کہ ان کی سوتیلی والدہ سارہؓ نے گھریلو جھگڑے کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کیا کہ وہ بی بی ہاجرہؓ کو گھر سے نکال دیں۔ اس بات پر حضرت ابراہیمؑ نہایت رنجیدہ و کبیدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کو اطلاع دی کہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں جیسے سارہؓ کہتی ہیں ویسے ہی کرو۔ اسحاقؑ و اسماعیلؑ تیری ہی اولاد ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ہاجرہؓ کے فرزند دل پسند سے ایک عظیم قوم بنانی ہے — اس ارشادِ ربانی پر سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے حضرت ابراہیمؑ نہایت صبر و حلم — استقامت و تحمل کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کو کشاں کشاں بہ ہزار مشکل حجاز کی ایک وادی میں لے کر پہنچے۔ جس کو وادی بطحا یا وادی بکہ بھی کہتے تھے۔ یہ وہ وادی ہے جہاں اب مکۃ المکرمہ واقع ہے۔ یہ آبادی اس وقت انتہائی غیر آباد اور ویران تھی۔ تپتے ہوئے صحرا کی یہ بے آب و گیاہ وادی جہاں انسان زندگی کے بدلہ موت کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کے چاروں طرف لو کیلے۔ تپتے اور چمکتے پہاڑ تھے۔ جو نگاہوں کو خیرہ کرتے تھے۔ صحرا کی وسعت حدِ نگاہ تھی۔ نہ چرند نہ پرند۔ سبزہ کا نام و نشان نہیں۔ ماسوائے ریت کے تودوں کے یا سراب کے دور دراز تک پانی کا نام نہ تھا۔ بادِ صرصر کے تھپیڑے العطش العطش پکارتے تھے۔

الغرض اس وادی میں کوہ صفا و مروہ کے پاس ان دو بے کس۔ نحیف اور بے بس جانوں کو مختصر زادِ راہ کے ساتھ چھوڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ واپس لوٹنے لگے تو بی بی ہاجرہؓ نے نہایت غمگین لہجہ میں پوچھا۔ ابراہیم! ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ "اس خدا کے جو دونوں جہان کا وارث ہے اور پالنے والا ہے"۔ ہاجرہؓ نے کہا۔ بیشک پھر آپ جا سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے ایک بیٹے (حضرت اسماعیلؑ) کو شام سے منتقل کر کے مکہ میں بسانا دینِ خداوندی کے ایک عظیم پروگرام کی نہایت اہم بنیادی کڑی تھا۔ (ہم اس وقت اس نکتہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے) یہ کوئی ہنگامی یا اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ لیکن جس طرح یہ واقعہ مندرجہ بالا مضمون میں بیان کیا گیا ہے (واضح رہے کہ قرآن کریم میں یہ واقعہ یوں نہیں آیا۔ یہ تورات کا افسانہ ہے۔) اس کی رو سے بات یوں سامنے آتی ہے کہ :-

(۱) اس واقعہ کا محرک (معاذ اللہ) دو سوکنوں کا باہمی جلاپا تھا جس کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی ایک بیوی نے انہیں "مجبور کیا" کہ وہ دوسری بیوی اور اس کے شیرخوار بچے کو گھر سے

نکال دے۔

(۲) حضرت ابراہیمؑ اس پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا کہ تم رنجیدہ نہ ہو۔ اپنی بیوی کی بات مان لو۔

یہ تو ہوا اس واقعہ کا محرک قصہ۔ اس کے بعد یہ دیکھئے کہ ایک شخص (اور شخص بھی کوئی عام آدمی نہیں بلکہ خدا کا ایک عظیم المرتبت پیغمبر)

دو بے کس، نحیف اور بے بس جانوں کو جن میں ایک شیرخوار بچہ ہے۔ ایک ایسی وادی میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے جو انتہائی غیر آباد اور ویران تھی۔ تپتے ہوئے صحرا کی یہ بے برگ و گیاہ وادی جہاں انسان زندگی کے بدلے موت کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کے چاروں طرف تو کیلے۔ تپتے پہاڑ تھے جو نگاہوں کو خیرہ کرتے تھے۔ صحرا کی وسعت حد نگاہ تھی۔ نہ چرند نہ پرند، سبزہ کا نام و نشان نہیں۔ ماسوائے ریت کے تودوں کے یا سراب کے دُور دراز تک پانی نہ تھا۔ بادِ صرصر کے تھپیڑے العطش العطش پکارتے تھے۔

اس مقام پر خدا کا یہ پیغمبرؑ اپنی بیوی اور شیرخوار بچے کو صرف ایک مشکیزہ پانی کا دے کر چلا گیا اور انہیں تنہا چھوڑ گیا۔ ہم ان حضرات سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ غیر مسلم (یا ہماری نئی نسل کے نوجوان) جب اس "واقعہ" کو پڑھیں گے تو وہ خدا کے اس پیغمبرؑ کے متعلق کس قسم کا تصور قائم کریں گے۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ خود خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ ایسے خدا کے متعلق کیا کہیں گے؟ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ درج نہیں۔ یہ تورات کا افسانہ ہے جو ہماری کتب روایات و تفاسیر میں راہ پا گیا ہے اور ہمارے "خدام القرآن" اسے آنکھیں بند کر کے نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ یہ قرآن کی خدمت ہے یا اس کی (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) مذمت!

ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی خدمت میں پوری دلسوزی کے ساتھ عرض کریں گے کہ وہ کبھی تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں کہ اس قسم کی "قرآن کی خدمت" کا نتیجہ کہیں یہ نہ ہو کہ خدا کے حضور الٹے لینے کے دینے پڑ جائیں!

۶۔ سازش کامیاب ہو رہی ہے

ہم نے طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۷۷ء میں لکھا تھا کہ مودودی صاحب نے نئی نسل کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے کس طرح ایک نیا شگوفہ چھوڑا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ

ملاہم نے اس "واقعہ" کا اگلا حصہ بیان نہیں کیا جس میں کہا گیا ہے کہ کس طرح حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں مضطرب و بے قرار دوڑتی پھریں اور آخرالامر کس طرح معجزانہ طور پر بچہ کے قریب پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔

اللہ تعالےٰ نے سات زبانوں میں قرآن نازل کیا اور اسے انہی سات، زبانوں میں رسول اللہ نے امت کو دیا۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ نے ان میں سے چھ زبانوں کے قرآن کے نسخوں کو جلا دیا اور صرف ایک زبان کے قرآن کو باقی رہنے دیا جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ ہم نے اس پر لکھا تھا کہ مودودی صاحب کی اس سازش سے اسلام سینوں سے جاتا رہے گا۔ اسلام کے معنی ہیں اس صداقت پر ایمان کہ قرآنِ مجید جس شکل میں اللہ تعالےٰ نے نازل کیا اور رسول اللہ ؐ نے امت کو دیا وہ اپنے حروف۔ الفاظ۔ آیات۔ سور۔ ترتیب کے ساتھ، اسی شکل میں، مکمل اور غیر متبدل و غیر محرّف ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر اس حقیقت، یا اس کے کسی جزو میں، ذرا سا بھی شبہ لاحق ہو جائے، تو ایمان باقی نہیں رہتا۔

ہمیں قائدین طلوعِ اسلام (سندھ) میں سے ایک صاحب کا خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہاں "مولانا مودودی کے چاہنے والوں میں سے ایک صاحب" نے کہا ہے کہ "تم ثابت کرو کہ قرآن شریف جیسا آج کتابی صورت میں موجود ہے رسول اللہ ؐ نے اسی طرح امت کو دیا تھا"۔ گویا مودودی صاحب کی سازش کا تیر ٹھیک ٹھکانے پر لگا اور ان کے اور ان کے معتقدین نے یہ سوال کرنا شروع کر دیا ہے کہ تم ثابت کرو کہ موجودہ قرآن وہی ہے جسے رسول اللہ ؐ نے امت کو دیا تھا۔

ہم نے ان صاحب کو جواب میں لکھا تھا کہ اس قسم کا سوال اگر کوئی غیر مسلم کرے تو اس کا جواب اور انداز سے دیا جائے گا۔ اگر کوئی ایسا شخص پوچھے جس کا قرآن پر ایمان ہو اور وہ صرف اپنی معلومات کے لئے یہ دریافت کرنا چاہے تو اس کا جواب خود قرآن مجید سے دیا جائے گا۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک (جنہوں نے یہ سوال پوچھا ہے) چونکہ مودودی صاحب کے سوا کوئی سند اور حجت نہیں ہو سکتی اس لئے ان کے سامنے مودودی صاحب ہی کی تحریر پیش کرنی چاہیئے۔ مودودی صاحب اپنی تفسیر، تفہیم القرآن، جلد اوّل کے مقدمہ (مطبوعہ ایڈیشن ۱۹۵۱ء) پر لکھتے ہیں:-

> کوئی شک نواز قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن یہ بات کہ جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے وہ بلا کسی کمی بیشی کے ٹھیک وہی ہے جو محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا تو یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں۔

اس پر مودودی صاحب کے معتقدین اور مصاحب تو نہ جانے کیا کہیں گے لیکن جن لوگوں کی آنکھوں پر عقیدت مندی یا مفاد پرستی کے رنگین چشمے نہیں چڑھے ہوئے وہ یقیناً یہ پوچھیں گے کہ کیا رسول اللہ ؐ نے اسی ایک قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا یا ان سات قرآنوں کو پیش کیا تھا جن میں سے چھ کو (بقول مودودی صاحب) حضرت عثمانؓ نے (معاذ اللہ

تلف کر دیا تھا۔ اگر ان سات قرآنوں کو پیش کیا تھا تو یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے یہ ٹھیک وہی ہے جسے رسول اللہ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا؟

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسا پوچھنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ کچھ کہنے والا کون ہے؟

۷۔ ہماری اسلامی معلومات

ایک صاحب نے ہمیں، اُردو انسائیکلو پیڈیا (فیروز سنز) کے صفحہ ۹۸۹ کی فوٹو سٹیٹ کاپی بھیجی ہے۔ اس میں لکھا ہے:۔

عزیرؑ (حضرت)۔ (۵۰۰۔ ق۔م) حضرت ہارونؑ بن عمران کی نسل سے تھے۔ قرآن اور احادیث کے مطابق عزیرؑ نبی تھے۔ بنوکدنضر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے تمام یہودیوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں بابل لے آیا۔ اس وقت عزیرؑ کم عمر تھے۔ چالیس برس کی عمر میں آپ بنی اسرائیل کے فقیہہ بنے اور رشد و ہدایت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اردشیر کے زمانے میں جب بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو از سرِ نو تعمیر کرنا چاہا تو اس سلسلہ میں حضرت عزیرؑ نے شاہی دربار میں اپنا اثر رسوخ استعمال کرنا شروع کیا اور بیت المقدس کی تعمیر میں بنی اسرائیل کو مدد دی۔ بیت المقدس کی تباہی کے وقت تورات کے تمام نسخے ناپید ہو چکے تھے۔ حضرت عزیرؑ نے یہ نسخے از سرِ نو مرتب کرائے (اس کے بعد اور بھی بہت کچھ لکھا ہے جسے درج کرنے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے)۔

اس میں کئی بنیادی غلطیاں ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ قرآن مجید نے عزیرؑ نامی کسی شخص کو زمرہ انبیاءؑ میں شامل نہیں کیا۔ اس لئے انہیں قرآن کی رو سے بالتصریح نبی نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں عزیرؑ کا نام ایک ہی مقام پر آیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ یہودی اسے ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کہتے تھے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ اہلِ مصر کا ایک دیوتا تھا (OSIRIS) جس کی شکل بیل کی سی تھی۔ وہ اسے خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ اہلِ مصر کی دیکھا دیکھی بنی اسرائیل نے بھی اس دیوتا کی پرستش کرنی اور اسے خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہی (OSIRIS) عزیرؑ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

دوسرے یہ کہ جس فقیہہ نے تورات کو از سرِ نو مرتب کیا تھا اس کا نام عذرا تھا (نہ کہ عزیرؑ) تورات میں اس کا نام اور ذکر بڑی تفصیل سے ملتا ہے۔

ہم اپنے ہاں کے انسائیکلو پیڈیا قسم کی تالیفات کے مصنفین اور ناشرین سے درخواست کریں گے کہ وہ (کم از کم) اسلام اور حضرات انبیاء کرامؑ کے ضمن میں کچھ درج کرنے میں

بڑی احتیاط سے کام لیا کریں۔ ان کی یہ تالیفات عوام میں "سند" بن جایا کرتی ہیں۔

۸۔ تیری آواز مکّے اور مدینے

(غالباً راولپنڈی ایڈیشن) کے نوائے وقت بابت ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء میں ایک جلی سرخی ہے۔

لیبیا میں تمام قوانین قرآنِ پاک کی بنیاد پر مرتب کئے جائیں گے۔

اس کے نیچے خبر میں کہا گیا ہے کہ "صدر قذافی نے کہا ہے کہ جمہوریہ لیبیا کے قوانین کی بنیاد قرآن مجید ہوگا"۔ اجمالی طور پر خبر ایسی ہے جس پر دنیائے اسلام کو جھوم جھوم جانا چاہیئے کہ مسلمانوں کی کسی ایک مملکت نے تو ایسا انسانیت ساز فیصلہ کیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کس طرح مرتب ہوتی ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ تفصیل بھی معلوم ہو سکے۔ اگر انہوں نے فی الواقعہ قرآن مجید کو قوانینِ مملکت کی بنیاد قرار دے لیا تو اس سے ایسا انقلاب رونما ہو جائے گا جس پر تیرہ سو سال کے بعد، ملائکہ ایک بار پھر اہل ارض پر درود و سلام کے پھول نچھاور کریں گے۔ یہ سعادت، خطۂ پاکستان کے حصّے میں آ جاتی اگر یہاں جماعتِ اسلامی کی سازش عمل پیرا نہ ہوتی۔ وائے بدنصیبی!

۹۔ فوج کا نصب العین

۱۱ر جنوری ۱۹۷۷ء کے نوائے وقت میں، عنوانِ بالا کے تحت، لفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) رشید احمد رشید (ستارۂ جرأت) کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

فوج نے اپنے لئے جو نصب العین چنا ہے وہ ہمارے اسلامی تشخص، ہمارے صحیح معنوں میں مسلمان ہونے کے دعویٰ، مملکتِ خداداد پاکستان کے معنی اور ماخذ کے نظریۂ پاکستان، اسلامی قانون، اور سب سے بڑھ کر ہمارے مومن اور مجاہد ہونے اور پاکستان کے صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ کہلانے کی ترجمانی کرتا ہے۔

یہ نصب العین اس قدر پاکیزہ و مقدس اور ایسا بلند و بالا ہے کہ اس پر جان فدا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اس قدر انقلاب آفریں نصب العین کی ہم نے تفصیل دیکھنا تو ایک طرف کہیں خبر تک نہ پڑھی۔ حالانکہ صاحبِ مضمون نے کہا ہے کہ اس کا برملا اعلان کیا گیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

پاکستانی فوج نے اپنے نصب العین کا برملا اعلان کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم صراطِ مستقیم سے ہرگز نہیں بھٹکے اور ہمارا راستہ اسلام اور آخری منزل اسلامی ضابطۂ حیات

کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ ہم نے منزل کا تعین کر لیا ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ فکری اور عملی میدانوں میں ہم سب مل جل کر کوشش کریں تاکہ منزلِ مقصود کو جلد سے جلد اور احسن طریق سے حاصل کیا جا سکے۔

جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس قسم کے کسی انقلابی اقدام کا اعلان نہ حکومت کی طرف سے ہوا ہے، اور نہ ہی فوج کی طرف سے۔ اگر فی الواقعہ کوئی ایسا فیصلہ ہوا ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کو اس سے باضابطہ طور پر مطلع کیا جائے تاکہ بات مستند ہو جائے۔ صاحبِ مضمون نے اس ضمن میں چار تجاویز کا ذکر کیا ہے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ اذان اور نماز کو سب سے پہلے صحیح مقام دیا جائے..... جب اذان میں کہا جائے آؤ نماز کی طرف تو سب کام چھوڑ کر مسلمان نماز کے لئے جمع ہو جائیں اگر اذان کے باوجود کانفرنسیں جاری رہیں۔ کلاسیں جاری رہیں۔ لیکچر جاری رہیں۔ سکیمیں جاری رہیں تو نصب العین سے وابستگی کمزور ہوگی۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے، فوج میں اپنا امام اور خطیب ہوتا ہے اور نماز کے لئے خاص مقام مخصوص۔ فوج کا سارا پروگرام متعین پروگرام اور مخصوص اوقات کے مطابق سرانجام پاتا ہے۔ اور ایسا ہونا لابد ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کانفرنسیں، کلاسیں اور سکیمیں منعقد کرتے وقت، نماز کے اوقات کا یقیناً خیال رکھا جاتا ہوگا۔ اس تجویز کا عملی مفہوم اتنا ہی سمجھ میں آتا ہے کہ، فوجیوں کو نماز کی ادائیگی کی تاکید کی جائے۔ یہ مقصد نہیں ہوگا کہ جب چھاؤنی کے اردگرد کی مساجد سے اذان کی آوازیں آنی شروع ہوں (اور یہ معلوم ہے کہ مختلف فرقوں کی اذانوں کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔) تو فوجی سب کام چھوڑ چھاڑ ان مساجد کی طرف چل نکلیں۔ اس سے تو فوج کا نظم و ضبط باقی نہیں رہ سکتا۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ نمازِ جمعہ اور اس کے اجتماع کو صحیح مقام دیا جائے..... ہر ماہ کے آخری جمعہ کو ریجمنٹل دربار جمعہ کی نماز کے بعد وہیں مسجد میں۔ ہر تین ماہ بعد ڈویژنل دربار جمعہ کی نماز کے بعد وہیں مسجد میں۔ اور پھر ہر چھ ماہ کے بعد سٹیشن دربار جمعہ کے بعد مسجد میں منعقد کیا جائے۔

اس تجویز پر تبصرہ تو کوئی فوجی صاحبِ بصیرت و تجربہ ہی کر سکتے ہیں۔ ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ نمازِ جمعہ کا اجتماع بھی فوج ہی کی مسجد میں کیا جانا مقصود ہوگا۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ فوج سے تمام اخلاقی برائیوں کو نکال دینا چاہیئے۔

یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا عملی طریق کیا ہوگا، کیونکہ اس قسم کا وعظ تو ہر منبر اور ہر اسٹیج سے صدیوں سے کیا اور سنا جاتا ہے!

اور چوتھی تجویز یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیم اور عمل کو فوج میں لازمی قرار دیا جائے

اور ترقی اور پروموشن حاصل کرنے کے لئے اس کا امتحان پاس کرنا لازمی ہو۔
یہ تجویز جہاں نہایت مقدس اور اساسی ہے وہاں بے حد خطرناک نتائج کی حامل بھی ہو سکتی ہے۔ پندرہ بیس سال اُدھر، جماعت اسلامی نے اسکولوں اور کالجوں میں "اسلامیات" کو لازمی مضمون قرار دینے کا فیصلہ کرایا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر اسکول اور کالج میں اس جماعت کے پروپیگنڈہ کا (CELL) قائم ہو گیا جس کے تباہ کن نتائج آج قوم کے سامنے ہیں۔
جماعتِ اسلامی کے نزدیک تو "کتاب و سنت سے مراد ہی "اللہ کے شاہکار" مودودی صاحب کے خیالات، عزائم اور سیاست ہوتی ہے۔ یہ جماعت اس قسم کی سکیموں سے اپنے اغراض و مقاصد حاصل کرنے کے معاملہ میں بڑی ماہر ہے اور ان سے محتاط رہنے کی از بس ضرورت ہے!
ہم فوج کے ذمہ دار ارباب سے درخواست کریں گے کہ اگر کوئی ایسی اسکیم ہے (جس کا ذکر مذکورہ صدر مضمون میں کیا گیا ہے) تو وہ براہِ کرم، اسے مستند طریق سے شائع فرمادیں تاکہ قوم میں کسی غلط فہمی کے پھیلنے یا پھیلانے کا امکان نہ رہے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے اس حصارِ ملّت کو ہر قسم کی وسوسہ انگیزیوں کی دیمک سے محفوظ رکھے کہ ہماری بقا اسی قلعہ کے استحکام کے ساتھ وابستہ ہے۔

محترم پرویز صاحب کا درسِ قرآنِ کریم	**لاہور** میں ہر اتوار ۹½ بجے صبح (فون ۸۰۸۰۰) ۲۵/بی گلبرگ ۲ (نزد پولیس اسٹیشن)
ملتان میں ہر جمعہ ۳½ بجے سہ پہر (بذریعہ ٹیپ) (فون ۷۲۰۷۱) دفتر شاہ ستر۔ بیرون پاک گیٹ	**لائلپور** میں ہر جمعہ ۸½ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) (فون ۲۴۹۴) ۶۵ کوتوالی روڈ حیات سرجری کلینک
گجرات میں ہر جمعہ بعد نماز جمعہ نیز ہر اتوار ۳ بجے شام بمقام ۱۲/۱/بی بھمبر روڈ (بذریعہ ٹیپ)	**کراچی** میں ہر اتوار ۹½ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) دفتر بزمِ طلوعِ اسلام۔ دارالقائد (فون ۶۱۰۴۶۸) ۲۰-۱/بی۔ ناظم آباد ۳
جام پور میں ہر جمعہ بعد نماز عشاء (بذریعہ ٹیپ) (ڈیرہ غازیخاں) بلوچ جنرل اسٹورز۔ اڈہ روڈ	**راولپنڈی** میں ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) جی - ۱۶۶ لیاقت روڈ
جلالپور جٹاں میں ہر جمعہ بعد نماز (بذریعہ ٹیپ) (گجرات) دفتر بزمِ طلوعِ اسلام۔ بازار کلاں	**کوئٹہ** میں ہر جمعہ ۳½ بجے سہ پہر (بذریعہ ٹیپ) مکان نمبر ۱۹/۱۲ عبدالستار روڈ (نزد گرین ہوٹل)

طلوعِ اسلام کے شائع کردہ پمفلٹ

قرآنی فکر کی نشرو اشاعت طلوعِ اسلام کے شائع کردہ پمفلٹوں کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر ہو سکتی ہے۔ مجلہ "طلوعِ اسلام" مخصوص گوشوں تک پہنچتا ہے۔ لیکن پمفلٹ دور دراز مقامات تک پہنچائے جا سکتے ہیں۔ اگر آپ اس فکر سے متفق ہیں اور اس کی عام اشاعت چاہتے ہیں تو ان پمفلٹوں کو اپنے حلقۂ اثر تک پہنچایئے۔ کنونشن ۱۹۷۶ء کی تقریب پر اور اس کے بعد حسبِ ذیل پمفلٹ شائع کئے گئے ہیں۔

۱۔ **آدمِ نو کی تخلیق** } پرویز صاحب کا استقبالیہ جس میں بتایا گیا ہے کہ انسانیت کا مستقبل کن لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ قیمت:۔ ایک روپیہ

۲۔ **ذکر و فکرِ پرویز** } تحریکِ طلوعِ اسلام کا اصولی تعارف اور اس میں پرویز صاحب کا مقام۔ قیمت:۔ ایک روپیہ

۳۔ **اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش** } مودودی صاحب اور جماعتِ اسلامی کی چالیس سالہ تاریخ خود مودودی صاحب کے الفاظ میں۔ قیمت:۔ دو روپے

۴۔ **مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث** } حدیث و سنت کے متعلق مودودی صاحب کی پوزیشن کیا ہے۔ اس کا مطالعہ گہری توجہ کا متقاضی ہے۔ قیمت:۔ ۷۵ پیسے۔
(علمائے امت کی خدمت میں ایک گذارش)

۵۔ **عظمتِ کردار کا گوہرِ تابدار** } خصوصی خطاب مفکرِ قرآن پرویز صاحب بتقریب صد سالہ جشن قائداعظمؒ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ
(دوسرا ایڈیشن مع ترمیم و اضافہ دسمبر ۱۹۷۶ء) قیمت:۔ ایک روپیہ

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام لاہور)

قائدِ اعظمؒ کے متعلق اور تو سب کچھ بتایا جائے گا لیکن یہ بہت کم بتایا جائے گا کہ انہوں نے اسلام، قرآن اور اسلامی مملکت کے متعلق کیا فرمایا تھا۔ ان کے یہ ارشادات
ایک پاکٹ سائز بک لٹ

قائدِ اعظمؒ اور طلوعِ اسلام

میں نہایت حسن و خوبی سے جمع اور مرتب کر دیئے گئے ہیں۔ اس قسم کا بیش بہا ذخیرہ آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا۔
قیمت صرف چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اسبابِ زوالِ اُمّت

اِس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے لیکن کچھ عرصہ سے نایاب تھی۔ اس کا تازہ ایڈیشن حال ہی میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں اس اہم اور بنیادی سوال کا نہایت حقیقت کشا جواب ملے گا کہ

"ہم ذلیل کیوں ہوئے"

جلدی منگوا لیجئے کیونکہ اس کے ایڈیشن جلدی ختم ہو جایا کرتے ہیں۔ قیمت صرف چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

(۱) ادارۂ طلوعِ اسلام۔ گلبرگ ۲ لاہور۔ (۲) مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

باب المراسلات

قانونِ وصیت

ایک صاحب نے، ایک بڑا درد آمیز تفصیلی خط لکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ موجودہ قانونِ وصیت کے ہاتھوں کس قدر پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ اس خط کے جستہ جستہ متعلقہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

میری عمر بھر کی محنتِ شاقہ کا ماحصل کچھ اثاثہ ہے۔ میرے اقربا میں سے ایک آدھ ایسا ہے جس نے میرے ساتھ ہمدردانہ سلوک روا رکھا ہے اور اب بھی وہ دکھ سکھ میں میرے کام آتا ہے۔ باقی سب زندگی بھر میرے دشمن رہے ہیں اور اب بھی میری موت کے خواہاں اور منتظر ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ وصیت کر جاؤں کہ میرا ترکہ میرے ہمدرد اقربا کو ملے۔ لیکن مروجہ قانون، جسے قانونِ شریعت کہا جاتا ہے، اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس قانون کی رو سے، وصیت صرف ⅓ مال میں کی جا سکتی ہے اور وہ بھی ورثا کے حق میں نہیں۔ میں اسے ہبہ نہیں کرنا چاہتا کہ اس سے انسان کو باقی ماندہ حصہ عمر میں بہرحال دوسروں کا دستنگر ہونا پڑتا ہے۔ مجھے اپنی اس مشکل کا کوئی حل نہیں ملتا۔

آخر میں انہوں نے پوچھا ہے کہ:-

کیا یہ قانون قرآن شریف کا ہے؟

طلوعِ اسلام

ان کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ قانون قرآن شریف کا نہیں بلکہ قرآن شریف کے قانون کے یکسر خلاف ہے۔

قانونِ وصیت کے متعلق ہم اس سے پہلے بھی متعدد بار لکھ چکے ہیں۔ اسے ہم طلوعِ اسلام کے صفحات میں اس لئے دہرا رہے ہیں کہ اس باب میں ہم سے اکثر دریافت کیا جاتا ہے۔

وصیت کے متعلق قرآن مجید میں نہایت واضح اور تاکیدی حکم آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۲/۱۸۰)

تم میں سے جب کوئی قریب المرگ ہو اور وہ کچھ مال اپنے پیچھے چھوڑ رہا ہو (اور اس نے اس سے قبل وصیت نہ کی ہو) تو اس پر خدا کی طرف سے فرض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین اور دیگر اقربا (میں سے جس کے لئے چاہے) معروف طریق سے وصیت کرے۔ یاد رکھو! ایسا کرنا متقین پر لازم ہے۔

پہلے تو آپ اس حکم کی اہمیت پر غور کیجئے کہ شروع میں کہا گیا ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ۔ تم پر یہ فرض عائد کیا جاتا ہے۔ حکمِ خداوندی کے لئے اتنا ہی کافی تھا لیکن معاملہ کی اہمیت کے پیشِ نظر آخر میں کہا گیا کہ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔ ایسا کرنا متقین پر لازم ہے۔ اس کے تاکیدی الفاظ شاید ہی کسی اور حکم کے لئے آئے ہوں!

دوسرے یہ کہ اس حکم میں قطعاً اس کی قید نہیں کہ تم اتنے حصّے تک میں وصیت کر سکتے ہو۔ اور نہ ہی اس کی تحدید کہ تم فلاں کے لئے وصیت کر سکتے ہو اور فلاں کے لئے نہیں۔ اتنا ہی نہیں۔ آگے چل کر (سورۂ المائدہ کی تین آیات میں) اس کی تفصیل بھی خود اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی کہ وصیت تحریری ہوگی اور اس کا یہ طریق ہوگا۔ اسی کو سورۂ بقرہ میں معروف طریق کہا گیا ہے۔ (۵/۱۰۶-۱۰۸)

سورۂ النساء میں تقسیم وراثت کے احکام دیئے گئے ہیں۔ ان میں ہر مقام پر اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ تقسیم مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ہوگی۔ (۴/۱۱-۱۲ چار مقامات پر) یعنی متوفی کا قرضہ ادا کرنے اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کی تقسیم اس طریق سے ہوگی۔

یہ ہیں وصیت کے متعلق قرآن کریم کے احکام ——— ان کی موجودگی میں کیا یہ چیز کسی کے حیطۂ تصوّر میں بھی آسکتی ہے کہ دینِ خداوندی کی رو سے قانون یہ ہے کہ وصیت صرف ۱/۳ مال تک کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی ورثا کے حق میں نہیں۔ لیکن مروجہ قانون شریعت یہی کہتا ہے اور چونکہ مملکت میں بھی یہی قانون رائج ہے اس لئے فیصلے اسی کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس حکم کی بنیاد ایک روایت ہے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہؐ! میں مالدار ہوں۔ اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہے تو آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا نہیں۔ کہا ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا خیر۔ تہائی مال کی وصیت کردو گو یہ بھی بہت ہے ——— تم

اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔

(تفسیر ابن کثیر۔ پارہ دوم۔ صفحہ ۲۶)

اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت سعدؓ کے ورثا کے حالات کیسے تھے جن کی روشنی میں حضورؐ نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا۔

ہماری کتب روایات میں ایک بنیادی کمی یہ ہے کہ ان میں بالعموم وہ واقعات، اور حالات مذکور نہیں ہوتے جن کی روشنی میں حضورؐ نے کوئی فیصلہ صادر فرمایا ہو۔ اور قانون دان حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ کسی فیصلہ کی فہم اور ماہیت سمجھ میں نہیں آ سکتی جب تک وہ واقعات اور حالات معلوم نہ ہوں جن کی بنا پر وہ فیصلہ دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عدالتی فیصلہ سنا تو دیا جاتا ہے دو لفظوں میں لیکن جب اسے صادر کیا جاتا ہے تو اس میں تمام واقعات اور حالات، بلکہ دلائل و سندات تک بالتفصیل درج ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت کے آخری الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے دیگر ورثا ان کی لڑکی کے مقابلہ میں زیادہ مستحق امداد تھے۔ اور (غالباً) اسی بنا پر حضورؐ نے انہیں ایسا مشورہ دیا ہوگا۔ وصیت سے متعلق قرآنی حکم میں اس کی پابندی نہیں کی گئی کہ موقعی پورے کے پورے ترکہ کے متعلق وصیت کرے۔ اسے وصیت کا حق اور اختیار دیا گیا ہے۔ وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق وصیت کر سکتا ہے۔ اس لئے اس باب میں کسی کو عندالطلب یہ مشورہ دینا کہ وہ اتنی حد تک وصیت کرے تو مناسب ہوگا، قرآنی حکم کے خلاف نہیں ہوگا۔ ہم نے کئی مرتبہ یہ کہا کہ مروجہ قانونِ وصیت کو قرآنِ مجید کے حکم کے مطابق مرتب اور نافذ کیا جائے تاکہ منشاء خداوندی بھی پورا ہو اور لوگ ان پریشانیوں سے بھی بچیں جو مروجہ قانون کا لازمی نتیجہ ہیں۔ لیکن مذہبی پیشوائیت اس کی کس طرح اجازت دے سکتی ہے؟

ہم اس سوال کو اب بالخصوص اس لئے سامنے لاتے ہیں کہ ان حضرات کا مطالبہ ہے کہ قوانین مملکت، کتاب و سنت کے مطابق مرتب ہوں اس ضمن میں قانونِ وصیت کی مثال لیجئے۔

(۱) قرآن مجید کے مطابق وصیت پورے کے پورے مال میں اور جس کے حق میں جی چاہے کی جا سکے گی۔ لیکن یہ قانون "سنت" کے خلاف ہوگا۔

(۲) "سنت" کی رو سے وصیت نہ ۱/۳ حصہ مال سے زیادہ میں کی جا سکے گی اور نہ ورثا کے حق میں۔ لیکن یہ قانون کتاب (قرآن مجید) کے خلاف ہوگا۔

ان سے کہیئے کہ پورے کا پورا ضابطۂ قوانین تو ایک طرف، صرف وصیت کے متعلق ایسا قانون وضع کر دیجئے جو "کتاب و سنت" دونوں کے مطابق ہو؟ یہ قیامت تک ایسا نہیں کر سکیں گے آپ کو معلوم ہے کہ اس لاینحل مسئلہ کا حل ان کے پاس کیا ہے؟ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت نے

قرآن مجید کی آیت کو منسوخ کر دیا ہے ــــ اللہ اکبر !!! رسول اللہ، لوگوں تک خدا کے احکام پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے نہ کہ ان احکام کو منسوخ کرنے کے لئے ــــ قرآن کریم میں ہے کہ اسلام کے مخالفین حضورؐ سے کہتے کہ آپ اس قرآن کی جگہ دوسرا قرآن لے آیئے۔ یا اس میں کچھ تبدیلیاں کر دیجئے یعنی اس کے جو مقامات ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہیں یا انہیں منسوخ کر دیجئے یا ان میں ردّ و بدل کر دیجئے۔ تو حضورؐ جواب دیتے کہ:۔

مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۰/۱۵)

یہ میرے حیطۂ اختیار ہی میں نہیں کہ میں اس قرآن میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر سکوں۔ میری تو اپنی کیفیت یہ ہے کہ میں اس کے سوا کسی کا اتباع نہیں کرتا۔ (تو میں اس کی جرأت کس طرح کر سکتا ہوں کہ اس میں کوئی ردّ و بدل کروں) اگر میں ایسا کروں تو یہ معصیتِ خداوندی ہوگی اور معصیتِ خداوندی کی جو سزا ہے میں اس سے بہت ڈرتا ہوں۔

یعنی حضورؐ تو قرآنِ کریم میں ذرا سے ردّ و بدل کو معصیتِ خداوندی اور مستوجبِ عذابِ خداوندی قرار دیتے ہیں، اور یہ حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضورؐ قرآن کو منسوخ کر دیتے تھے۔ معاذ اللہ، استغفر اللہ۔ اور یہ سب اس لئے کہ یہ اپنے مروجہ (خلافِ قرآن) قانونِ وصیت کو مطابقِ اسلام قرار دے سکیں!

اس سے آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ خدا کی کتاب کی ان حضرات کے نزدیک کیا حیثیت اور وقعت ہے؛ حسنِ اتفاق سے ہم اسی اشاعت میں "نقد و تبصرہ" کے عنوان کے تحت، نسخ فی القرآن پر ایک مفید بحث شائع کر رہے ہیں۔

(بقیہ:۔ امام ابوحنیفہؒ۔ (صفحہ ۲۳ سے آگے)

ایسا جن سے خالی پانی کو چبانا زیادہ اچھا ہے۔ میں نے ایک روز ابوحنیفہؒ سے کچھ مسائل امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے پیش کئے تو وہ تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوحنیفہؒ تو بالکل ہی ایک نیا اسلام تصنیف کر رہے ہیں۔"

(خطیب ج ۱۳ صفحہ ۴۱۳)

لہٰذا اگر کوئی شخص آج حدیث کے متعلق وہی بات کہے جو امام اعظمؒ فرماتے تھے اور ایسے شخص کے متعلق ہمارا قدامت پرست طبقہ کہے کہ "یہ ایک نیا دین پیدا کیا جا رہا ہے۔ تو یہ بات بھی کوئی نئی نہیں ہوگی۔ ایسا شروع سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔"

یہ ہیں امام اعظمؒ کے متعلق اس خطیب بغدادی کی تصریحات جسے ہمارے علمائے کرام نے ناقابلِ اعتماد قرار دیا، لیکن اب جس کے اقتباسات بڑے فخر سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ یہ (اقتباسات) ان کے حسبِ منشا ہیں۔ کیا اس روش اور ذہنیت کو علمی دیانت کہ

از پروفیسر رفیع اللہ شہاب

نقد و تبصرہ

(قرآن کے خلاف سازش)

نام کتاب:۔ تفسیر منسوخ القرآن از:۔ رحمت اللہ طارق۔
شائع کردہ:۔ ادارہ ادبیاتِ اسلامیہ صرافہ بازار پاک گیٹ۔ ملتان شہر
تعداد صفحات ۹۰۶ ۔ قیمت مجلد بڑی تقطیع، ساٹھ روپے

اسلام کی محکم بنیاد قرآنِ حکیم کو کمزور کرنے کے لئے جو جو سازشیں کی گئی ہیں ان میں ایک بعض قرآنی آیات کا منسوخ قرار دینا ہے۔ قرآنِ حکیم کی کسی آیت کو منسوخ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس محکم کتاب میں تضاد ہے جس کی وجہ سے متضاد آیتوں میں سے ایک کو منسوخ تصور کر لیا جاتا ہے۔ یہ چیز قرآنِ مجید کی محکمیت کے خلاف دلیل قرار پا جاتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ کسی زمانے میں ہمارے اکثر مفسرینِ کرام قرآن کے بارے میں ایسے غلط عقیدے کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔ قرآن کی آیات کی منسوخی کی دلیل میں بعض روایات کو پیش کیا جاتا ہے جن کا سلسلہ بعض صحابہ کرام رضؓ تک پہنچایا جاتا ہے۔ ان حضرات کی "تحقیق" کے مطابق قرآنِ حکیم کی کوئی پانچ سو آیات منسوخ قرار پاتی تھیں۔ لیکن یہ روایات ایسی تھیں کہ اگر ان میں ایک روایت کسی ایک آیت کو منسوخ قرار دیتی ہے تو دوسری روایت اس کے خلاف اسی آیت کو محکم قرار دے دیتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی جیسے روایت پرست بزرگ (کہ جنہوں نے لاکھوں ضعیف روایات سے "خصائص الکبریٰ" جیسی کتاب کی جلدیں بھر دی تھیں) انہوں نے جب نسخ والی ان مختلف روایات کا محاکمہ کیا تو خود ان کی تحقیق کے مطابق ان منسوخ ہونے والی آیات کی تعداد پانچ صد سے گھٹ کر صرف اکیس (۲۱) رہ گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآنی آیات کے نسخ کی اس بحث کو چلانے والے دو ایسے بزرگ تھے کہ شریعتِ اسلامیہ کی رو سے عام معاملات میں بھی ان کی گواہی قابلِ قبول نہ تھی۔ لیکن ہمارے مفسرینِ کرام نے قرآنِ کریم کی آیات کی منسوخی کے بارے میں ان کی کمزور دلیلوں سے

قرآنی تفاسیر کے ورق بھر دیئے۔ ان بزرگوں میں سے ایک حافظ ابوجعفر محمد بن اسماعیل تھے جو ابن النحاس کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے دماغ میں خرابی تھی اور خرابی کی بنا پر آپ نے ۹۴۸ء میں دریائے نیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی۔ دوسرے مصنف ابوالقاسم ہبۃ اللہ اندھے تھے۔ یہ بھی ابن النحاس کے معاصر تھے۔ خود ان کی کتاب، الناسخ والمنسوخ میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ ان کی ایک بیٹی ان پر ان کی تفسیر کی غلطیاں واضح کرتی تھی، جسے آپ تسلیم کر لیتے تھے۔

ہم نے اس معاملہ کو قرآن کے خلاف سازش اس لئے قرار دیا ہے کہ ٹھیک اُسی زمانے میں ایک اور مفسرِ قرآن امام ابومسلم اصفہانی نے ان دونوں حضرات کی غلطیاں ان پر واضح کر دیں اور انہیں مختلف آیات کی تطبیق میں جو مشکلات نظر آتی تھیں آپ نے انہیں حل کر دیا۔ اس طرح اس موضوع پر (یعنی الناسخ و المنسوخ) ان کی ایک پوری کتاب تیار ہو گئی۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ مذکورہ بالا دونوں شرعاً ناقص بزرگوں کی کتابیں جو قرآن حکیم کی محکمیت کے خلاف ہیں وہ تو ہم تک پہنچ گئی ہیں، لیکن ابومسلم اصفہانی نے ان کی تردید میں جو کتاب تالیف کی تھی اسے گم کر دیا گیا اور امتِ مسلمہ کو اس علمی خزانے سے محروم کر دیا گیا۔ تاہم حضرت امام نے اپنی تفسیرِ قرآن میں متعلقہ مقامات پر نسخ کے خلاف اپنے دلائل نقل کر دیئے تھے۔ افسوس ہے کہ یہ تفسیر بھی گم کر دی گئی۔ لیکن مقامِ تشکر ہے کہ اس دور کے بعض مفسرین نے اس سے استفادہ کیا اور اپنی تفاسیر میں امام ابومسلم کے دلائل نقل کر دیئے۔ امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں جھوم جھوم کر ان دلائل کو نقل کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم علمی خدمت تھی جس نے بعد کے مفسرین کو بڑا متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد نسخ کے بارے میں مفسرین کا غلو کم ہو گیا۔ راقم نے امام ابومسلم اصفہانی کے ان اقوال کو ایک علمی سرمایہ سمجھتے ہوئے تفسیر کبیر سے نقل کر کے ان کا اُردو ترجمہ بعنوان "مجموعہ تفاسیر ابومسلم اصفہانی" ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کی جانب سے شائع کرایا تھا۔

موجودہ دور میں جدید علم کی روشنی کا ایک مثبت فائدہ یہ ہوا ہے کہ کوئی عالمِ دین قرآن مجید میں نسخ کا نام نہیں لیتا۔ کیونکہ اس عقیدے کی رو سے قرآنِ حکیم میں تضاد تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اب جو بھی اہلِ علم قرآن مجید کی تفسیر لکھتا ہے وہ قرآنی آیات کے نسخ کا نام تو کجا اس کی طرف اشارہ تک نہیں کرتا۔ یہ ایک خوشگوار تبدیلی ہے۔ لیکن اس عقیدے کی رو سے مختلف شرعی احکامات پر جو غلط اثرات مرتب ہو چکے ہیں اب بھی انہیں جوں کا توں تسلیم کیا جاتا ہے۔

فاضل مصنف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ایسی تمام منسوخ قرار دی جانے والی

آیات اور شرعی احکامات پر ان کے منفی اثرات کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے جو اسلامی فقہ و قانون میں سوچ کی نئی راہیں وا کرتا ہے ہم اس کی وضاحت ایک دو مثالوں سے کرتے ہیں۔

ہمارے علماء کے نزدیک، شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو انہیں رجم کی سزا دی جاتی، یعنی سنگسار کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس رجم کی سزا کا کہیں ذکر نہیں بلکہ اس کتابِ محکم میں اس معاشرتی جرم کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ ایسے مرد و عورت کو ایک ایک سو کوڑے مارے جائیں۔ ہمارے علماء کا ارشاد ہے کہ قرآن کی یہ سزا تو غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے ہے۔ اور جہاں تک شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا رجم کا تعلق ہے، اس بارے میں ایک آیت کسی زمانے میں قرآن میں موجود تھی۔ جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا لیکن اس کا حکم ابھی تک باقی ہے۔ ان کی اصطلاح میں ایسی آیت کو منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں۔ (یعنی آیات جو موجودہ قرآن مجید میں درج نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے) اس مسئلے میں فاضل مصنف نے وہ ساری عجیب و غریب روایات جمع کر دی ہیں۔ جن کے راوی عمرو بن میمون ہیں۔ ان روایات میں وہ ایک بندریا کے سنگسار کئے جانے کا عجیب و غریب واقع بیان کرتے ہیں، جس پر اس تحقیق کی بنیاد رکھی جاتی ہے کہ بندر بھی انسانوں کی بگڑی ہوئی نسلیں ہیں۔ اور جب ان میں رجم کا رواج موجود ہے تو انسانوں میں کیوں نہ ہو (ص۔۔) فاضل مصنف نے علمی انداز میں ان عجیب و غریب روایات اور دلائل کا جائزہ لے کر قرآن حکیم کی محکمیت ثابت کی ہے۔

اسی طرح ایک بحث فنِ تصویر کے بارے میں ہے۔ سورۂ سبا کی ایک آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس فن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے انعام اور عطیہ قرار دیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے بعض احادیث (جن میں مصوروں کو قیامت کے دن عذاب ہونے کا ذکر ہے) سے اختلاف کی وجہ سے اس آیت کو منسوخ قرار دے دیا ہے۔ (ص۱۱۱) کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن کی آیات کو حدیث سے اختلاف کی بنا پر منسوخ قرار دے دیا جاتا ہے! اب جبکہ نسخِ قرآن کے سلسلہ میں اتنا غلو باقی نہیں رہا تو مناسب ہے کہ ان منسوخ قرار دی جانے والی آیات کی بنا پر جن اسلامی احکامات پر ان کے منفی اثرات پڑے ہیں ان کا بھی ازالہ کیا جائے۔ فاضل مصنف کی کتاب زیرِ تبصرہ اس مقصد کے لئے ایک اچھی علمی کوشش ہے۔ غالباً کام کی زیادتی کی وجہ سے فاضل مصنف نسخِ قرآن کے عقیدے کے خلاف ایک سب سے بڑی دلیل کا ذکر نہ کر سکے اور وہ یہ کہ اس سلسلے میں حضورؐ کی ایک بھی حدیث نہیں ملتی۔ بہرحال بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب قرآن کے طالب علموں کیلئے بالخصوص اور عام اہلِ علم حضرات کے لئے بالعموم بڑی ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

طلوعِ اسلام ہمارے نزدیک تو ناسخ و منسوخ کا مسئلہ ایک فقرہ میں حل ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں قرآن کے ناسخ و منسوخ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم کی کسی آیت کا منسوخ تصور کرنا ہی قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ اللہ۔ خیر صلّا۔

ط۔ ان میں ایک قانونِ وصیت بھی ہے جس کا ذکر دوسری جگہ آ چکا ہے۔ (طلوعِ اسلام)

تفسیر مطالب الفرقان کی دوسری جلد بھی

شائع ہو گئی

اس جلد کے نمایاں عنوانات کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:-

۱- انسان کی پیدائش — نظریۂ ارتقاء
۲- نفسِ انسانی کیا ہے؟
۳- کیا انسان کی کوئی فطرت ہے؟
۴- جن و انس کا مفہوم کیا ہے؟
۵- ابلیس کون ہے؟
۶- قصۂ آدم — کیا انسان خدا کا خلیفہ ہے؟
۷- ملائکہ کی کنہ و حقیقت۔
۸- جنتِ آدم۔
۹- عبودیت کا مقام۔
۱۰- داستانِ بنی اسرائیل — (قوموں کا عروج و زوال)
۱۱- شفاعت کا عقیدہ۔
۱۲- سمندر کیسے پھٹا تھا!
۱۳- یہودیوں کے بندر بن جانے کا مفہوم۔
۱۴- ذبحِ گائے — مردہ کا زندہ ہونا۔
۱۵- غلام اور لونڈیاں
۱۶- ہمارے علماء کی حالت۔
۱۷- آنے والے کا عقیدہ — (مجدد، مہدی، نزولِ مسیحؑ)
۱۸- ہاروت و ماروت کا افسانہ
۱۹- جادو کی حقیقت — تصوف اور اسلام
۲۰- ناسخ و منسوخ کا عقیدہ۔

یہ، اور اسی قسم کے دیگر سینکڑوں موضوعات پر سیر حاصل بحث

عمدہ سفید کاغذ — آفسٹ کی طباعت — خوبصورت، مضبوط، طلائی جلد
ضخامت پونے پانچ سو صفحات — قیمت پچاس روپے (علاوہ محصولڈاک)

(مطالب الفرقان، جلد اوّل، قیمت پچیس روپے (علاوہ محصولڈاک)

ملنے کا پتہ:-

۱- ادارۂ طلوعِ اسلام، گلبرگ ۲ لاہور۔ ۲- مکتبۂ دین و دانش، چوک اردو بازار لاہور